

DYAL SINGH PUBLIC LIBRARY
ROUSE AVENUE,
NEW DELHI.1

Call No. 891.43912360

Author نظامی - مسلم احمدی

Title دیوانہ عکریہ
جلد

ROUSE AVENUE, NEW DELHI-1.

> 2360

Date of release for loan

This book should be returned on or before the date last stamped below. An overdue charge of 0.6 P. will be charged for each - day the book is kept overtime.

1			
2			
3			
4			
5			
6			
7			
8			
9			
10			
11			
12			
13			
14			
15			
16			
17			
18			
19			
20			
21			
22			
23			
24			
25			
26			
27			
28			
29			
30			
31			
32			
33			
34			
35			
36			
37			
38			
39			
40			
41			
42			
43			
44			
45			
46			
47			
48			
49			
50			
51			
52			
53			
54			
55			
56			
57			
58			
59			
60			
61			
62			
63			
64			
65			
66			
67			
68			
69			
70			
71			
72			
73			
74			
75			
76			
77			
78			
79			
80			
81			
82			
83			
84			
85			
86			
87			
88			
89			
90			
91			
92			
93			
94			
95			
96			
97			
98			
99			
100			

دیوانِ غریب نوازؒ

زیرنگرائی

مسلم احمد نظامی ایم اے

نذر

میں اپنی اس کوشش کو حضور غریب فوارے میں پیش
کرنے کی جسارت کرتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہوں۔
کیا عجیب ہے کہ یہ خدمت مقبول ہو جائے۔

مُسلِمُ حَمْدِ نِظَامِ اِیْمَائے

ناشر

کتاب خانہ نذیریہ - اردو بازار جامع مسجد
دہلی

ہدیہ :- چار روپے آٹھ آنے

یہ ہدیۂ عقیدت روحانی دنیا کے اس بادشاہ کا
کلام کہا جاتا ہے جس کو دنیا غریب نواز
پکارتی ہے ۔

مسلم احمد نظامی ایم اے

مطبوعہ
کوہ نور پبلیشنگ پریس دہلی

اظہار عقیدت

عقیدت کیا چیز ہے ؟ یہ الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے ، بلکہ اگر محال کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا ۔ عقیدت میں آدمی کیا کر گزرتا ہے ۔ یہ عقیدت منہ ہی جان سکتا ہے ۔ مذہب اسلام ہی وہ مذہب ہے جس میں چودہ سو برس گزر جانے کے بعد بھی وہ لوگ پلے جاتے ہیں جن کو صحابہ کرام کا اخلاق ، ان کی عبادت و ریاضت حاصل ہے جن کی زندگیاں آج بھی ایمان کی جلیقی پھرتی تھوہریں ہیں ۔ اور سچ تو یہ ہے کہ یہ ہی وہ لوگ ہیں جن کی بدولت زمین و آسمان رکے ہوئے ہیں ، ورنہ دنیا کے اعمال تو اس قدر بگڑ چکے ہیں کہ اگر اس دنیا کو زمین و آسمان کی مچکی کے دونوں پاؤں میں بے دریغ پیس دیا جائے اور ہائے نہ کی جائے تو بے جا نہ ہو ۔ مگر قدرت کی کریمی یہاں بھی آڑے آتی ہے اور جہاں نیک بندے اپنی دعاؤں کی بدولت آفات کو روکنے میں دن اور لائے مصروف ہیں وہاں ہم جیسے بیکار بھی عیش کی زندگی گزار رہے ہیں جن کے اعمال کا آئینہ کدورتوں سے مکدر ہو کر اندھا ہو گیا ہے اسی اندھیرے کو دور کرنے کے لئے ، اسی گمراہی کو سمیٹنے کے لئے قدرت کا ہے گلے اپنے غمناک دے بھیجتی رہی ہے ان میں سے کچھ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام تھے اور جب نبوت کا سلسلہ سرکار نبوت پر ختم ہوا تو منشاء الہی کے ماتحت یہ کام صحابہ کرام نے سنبھالا ۔ ان کے بعد اسی فرض کو تابعین نے پہچانا اور پوری کوشش

کی کہ دنیا احکام الہی و قرمان رسول کے مطابق چلے اور اس کو شش میں ان کو جو کامیابی ہوئی تاریخ وال حضرت جانتے ہیں۔ اور یہ کامیابی صرف اس عقیدت کی وجہ سے تھی جو ان بزرگوں کو حضرت پیغمبر علیہ السلام سے تھی۔ ان کے بعد یہ سلسلہ تبع تابعین نے سنبھالا اور وہ بھی کامیاب رہے اور پھر اس میدان میں دلیار کرام کی وہ جماعت آئی جن کا اور حنا پھونا بجز رضاے الہی کچھ نہ تھا۔ یہ لوگ اپنے آرام کو پس پشت ڈال کر تبلیغ دین کے میدان میں ایسی ایسی جگہ گئے جہاں کفر و ظلمات کی اندھیریاں دن کو رات بناے ہوئے تھیں اور انتہائی مصائب اٹھانے کے باوجود یہ حضرات اس میدان میں میدان ہی بنے رہے اور ان ہی میں حضرت معین الملک خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی بھی آتا ہے۔ آپ کی زندگی ایک کامیاب زندگی تھی۔ جس میں مصائب دل کھول کر سامنے آئے مگر استقامت اور ہمت عادی آئی اور حضرت غریب نواز اس سلسلے میں کامیاب رہے۔ یوں تو حضرت غریب نواز سے قبل چشتیہ سلسلہ کے کچھ بزرگ ہندوستان آئے مگر جہاں تک چشتیہ سلسلہ کا تعلق ہے یہ بہرہ غریب نواز ہی کے سر ہے کہ آپ اس سلسلہ کے ہندوستان میں بانی قرار دیئے جاتے ہیں۔ کیونکہ اس سلسلہ کی ترویج آپ ہی نے فرمائی۔

پرتھوی راج کا پر آشوب دور الامان و اٹھنظ ہر طرف کفر و ظلمت کا گھناؤنا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اسی اندھیرے میں مذہب اسلام کی نوا فغانی کے لئے حضرت نے ہمت فرما کر اعلانے کلمۃ الحق فرمایا۔ اور آپ نے بڑی ہی کوشش فرما کر دین اسلام کی تبلیغ شروع فرمائی۔ یہ ایک ایسا کام تھا جس میں اپنی ہمت اور عزم کے ساتھ خود اعتمادی نے کامیابی یقینی کر دی۔ اجمیر کی سرزمین جو راجپوت سامراج

کا مرکز تھا آپ نے منتخب فرمائی۔ ہر جگہ کا غیر مسلم اس جگہ جمع ہو کر اپنے مذہبی رسومات پوسے کرتا تھا۔ گویا اجمیر سیاسی اور مذہبی مرکز تھا۔ آپ نے اسی سرزمین پر اپنی خانقاہ بنائی اور لوگوں کو مذہب اسلام کی تعلیموں سے واقف فرمانے لگے۔ اگر تہمتاقل نہ ہوتا تو یہاں کچا پکانہ جم سکتا تھا مگر وہاں تو قدرت کو منظور ہی کچھ اور تھا۔ اس مرکز ظلمات کو آنے والے زمانہ کے لئے مرکز فیوض بنا دیا تھا۔ اس لئے آپ کی آمد کو ایک زبردست روحانی اور سماجی انقلاب سمجھا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

گیا رحویں اور بارھویں صدی میں ہندوستان میں پھوٹ چھات کا وہ زور تھا کہ انسان اندج کی ڈھیر یوں کی طرح بے ہوشے تھے۔ نہ اتحاد فکر و عمل تھا نہ آپس میں محبت و خلوص۔ بلکہ اپنی اپنی ذغلی اپنا اپنا راگ تھا جو بیج رہا تھا مگر بے سرد تال۔ جس کی آواز سے کانوں کے پردے پھٹے جاتے تھے۔ تمدنی دنیا میں یہ اندھیرا دور وہ دور تھا جس سے زندگی کے پودے مر جھکے جلنے لگے تھے۔ انسان انسانیت سے گر کر حیوان سے بدتر ہو گیا تھا۔ اور نچی ذات کے لوگوں کے ارد گرد زندگی کی رعنائیاں انگوٹیاں لیتی دکھائی دیتی تھیں۔ اگر مزید تفصیل دیکھنی منظور ہو تو ابی الریحان البیرونی کی کتاب الہند دیکھنے سے حقیقت اچھی طرح سامنے آ جائے گی۔

اس پھوٹ چھات کے دور میں حضرت غریب نواز نے اسلامی تعلیمات کو عملی حیثیت سے پیش کیا۔ جس سے سماجی خود ساختہ اور سچی ختم ہونی زندگی اپنی اصل کیفیت پر آئی اس طرح وقت کی سب سے اہم ضرورت پوری ہوئی۔ گرتا ہوا انسان جو زندگی پر موت کو ترجیح دیتا تھا اب پھر زندگی کی تکرار کرنے لگا تھا۔ اس انقلاب عظیم کا

بانی محلوں میں نہ رہتا تھا بلکہ ایک معمولی سی جھوپڑی میں ایک دو تہی لیٹے ہوئے دنیا والوں کو یہ بتا رہا تھا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ہی انسانیت کا کامیاب مسلک ہے۔ انا دیکھ کر اعلیٰ بنے والی قوم اس پیغام کو سن کر سماجی زنجیروں کو توڑ کر آگے بڑھی اور اس پیغام کو جو پیغام حق تھا بٹے شوق و فود سے سنا اور یہ بات ابھی طرح سمجھ لی کہ صرف یہ ہی راستہ نجات کا راستہ ہے۔ وہ انسان جس کو پانچ مثقال سے زیادہ کی روٹی کبھی نصیب نہ ہوتی تھی اس پیغام کو سننے والا تھا۔ جس نے اس کے دل میں ایک انقلاب پیدا ہوا۔ اس غریب انسان نے نظر کی تاثیر سے اس کفر کے سمندر میں ٹھکی کی لہر دوڑا دی نہ صرف یہ بلکہ اُس نے بدھ پر آنکھ بھر کر دیکھا معصیت اور بغض شوں کے سوتوں کو ہمیشہ کے لئے خشک کر دیا۔ وہ سینہ جو برسوں سے کفر و الحاد کی تاریکیوں میں گھرا ہوا تھا اس پیغام حق سے ایمان کی منور قندیل بن گیا۔ وہ دماغ جس میں نفرت و حسرت کے خیالات ہر درش پارہے تھے اس پیغام کو سن کر محبت و رواداری مساوات و اخوت کی تجاویز پر غور کرنے لگا۔ وہ سر جو آج تک بتوں کے آگے جھکا کرتا تھا اب صرف اس ذات کے آگے جھکنے لگا جو حقیقت میں عبادت کے لائق ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ صاحب سیر الاولیاء شریف کہتے ہیں کہ پرتھوی راج کا ایک مقرب درباری حضرت غریب نواز کا مرید ہو گیا۔

ادھر سیاسی حالات میں تغیر پیدا ہوا۔ محمد غوری اور قطب الدین ایبک نے ہندوستان پر حملہ کر کے متعدد فتوحات حاصل کیں اور اس طرح حکومت کا مرکز لاہور منتقل ہوا اور لاہور سے دہلی چلا گیا۔ مگر حضرت غریب نواز نے

اجیر شریعت کو ہی اپنا مرکز بنائے رکھا۔ مگر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کو دہلی میں مقرر فرمایا۔ سچے پیر کے سچے مرید خواجہ قطب صاحب دہلی میں گئے تو یہاں کی دنیا ان کی غلام ہو کر رہ گئی۔ مگر یہ ہی وہ بزرگ تھے کہ باوجودیکہ ان کو سچا اقتدار حاصل تھا مگر کبھی سیاسی دنیا سے تعلق نہ رکھا۔ یہ تھے وہ لوگ جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات پر اپنی ہر چیز قربان کر دینے میں ذرا بھی تاثر نہ کرتے تھے اور یہ ہی وجہ تھی کہ ماحول کی زہریلی فضا کبھی ان پر اثر انداز نہ ہوئی۔

ایسی بلند ہستی جس کو دنیا میں یہ عروج تھا اگر چاہتی تو روحانی بادشاہت کے ساتھ ساتھ زمین کی بادشاہت پر بھی قبضہ کر لیتی مگر دنیا کی لذات و خواہشات تو ان کے سامنے کوئی اہمیت ہی نہ رکھتی تھیں۔ اس لئے جہاں کہیں اور جب کہیں دنیا کے اقتدار پسندوں کو اپنی ایمانی کمزوریوں کے باعث ان کے ارد گرد جمع ہوتی ہوئی مخلوق کے والہانہ جذبہ سے خوف معلوم ہوا ان بزرگوں نے ہمیشہ ان کے اس خوف کو دور کر کے ان کو یقین دلایا کہ دنیاوی حکومتوں سے ان کا دور کا بھی تعلق نہیں۔ ان کا کام صرف اللہ اور اللہ کے رسول کے بتائے ہوئے راستوں پر مخلوق کو چلانا ہے۔ اس پر زمانہ کے دستور کے مطابق کچھ لوگوں نے یقین کیا اور کچھ نے نہ بھی کیا۔ تاریخ سے اس تنازعہ کے متعلق پتہ چلے گا جو خواجہ قطب صاحب اور قاضی نجم الدین کبریٰ میں ہوا۔

حضرت محبوب الہی کے زمانہ میں بھی ان کی مخالفتیں حکومت اور اس کے اعیان و انصار کی طرف سے ہوئیں مگر یہ عقل کے اند سے یہ نہ دیکھتے تھے

کہ یہ لکھ مٹانے والی ہستیاں جن کے اپنے تن پر نہ ڈھنگ کا کپڑا ہے نہ پیٹ کو قرینہ کی روٹی ہے کس طرح دنیاوی حکومت کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھ سکتے تھے۔ جب بھی ان سے مقابلہ ہوا تو حکومت کے نشہ میں سرشار یہ دنیا دہلے ہمیشہ شکست کھا کر اپنا سامان لے کر رہ گئے۔ بعض اوقات حکومت کی پوری قوتیں ان کے مقابلے میں ڈٹ گئیں۔ مگر قربان ہو جائیے ان کی صداقت کے کہ ان کا بال بھی بیکار نہ ہوا مگر یہ حکومتیں ختم بھی ہو گئیں۔ ایک انگریز نے اپنی کسی کتاب میں لکھا ہے :-

”میں نے ہندوستان میں ایک ایسا مردہ دیکھا ہے جو زندوں پر حکومت کرتا ہے۔“

یہ بات اس نے حضرت غریب نواز کے متعلق کہی۔ بات دنیاوی اعتبار سے سچی ہے مگر اس کو کیا معلوم کہ یہ لوگ زندہ ہیں اور زندہ لوگوں ہی پر حکومت کرتے ہیں۔

سرزمینِ اجیر جہاں غریب نواز کا مسکن ہے آج بھی دنیا والوں کے لئے فیض کا وہ چشمہ ہے جس میں کبھی خشکی کے آثار بھی پیدا نہیں ہوئے۔ ہندو اسکھ عیسائیوں کی وہ کثرت رہتی ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ آخر کیوں یہ لوگ حضور کے مزار پر انوار پر حاضری دینا فرجتے ہیں؟ صرف اس لئے کہ یہاں سے ان کو وہ فیض حاصل ہوتا ہے جس سے ان کے دل مطمئن ہوتے ہیں، جس سے ان کی دجوں کو سکون میسر آتا ہے۔ وہاں کی روحانی فضا، وہاں کا پر نور ماحول، وہاں کی جنتِ نظیر سرزمین اس قابل ہے کہ وہاں جا کر گھر واپس آنے کو جی اس کا چاہتا ہے

جس کا دل مردہ اور روح پژمرده ہو چکی ہو۔ ورنہ وہ جگہ تو ایسی جگہ ہے جہاں اللہ والے کو اللہ شہر کرنے میں وہ لطف حاصل ہوتا ہے اور ایسا دل لگتا ہے کہ جس کا حجاب نہیں۔

روزِ دشب اللہ اللہ کرنے والی یہ ہستی جس کے سامنے دنیا کی گردنیں ٹھکتی تھیں اپنے اس اقتدار کو دیکھ کر غر نہ محسوس کرتی تھی، بلکہ وہ غریب نواز تھی۔ غریبوں کو دہاں سب کچھ ملتا تھا۔ سب کچھ ملتا ہے اور سب کچھ ملتا رہے گا۔ آؤ غریب بن کر غریب نواز کے دربار میں چل کر دل کی تمنائیں بارگاہ الہی میں پیش کر دو کوئی وجہ نہیں کہ باری تعالیٰ اپنی اس بزرگ با عظمت شخصیت کے طفیل میں تم کو وہ سب کچھ نہ دے دے جو تم چاہتے ہو بشرطیکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہو۔

سلطان الہند ہوتے ہوئے معین الملک بھی ہیں، معین الدین بھی ہیں، خواجہ بزرگ بھی ہیں، خواجہ خواجگان بھی ہیں اور مزید۔ سب غریب نواز بھی ہیں۔ ان کے سامنے والے ان کے چاہنے والے، ان کی خدمات کے معترف چار و دنگ عالم میں موجود ہیں۔ آج بھی ان کے دربار میں ہزاروں انسان آنکھیں بچھاتے ہوئے لیس گئے۔ عقیدت کے پھول ہندو مسلم جب دربار میں پیش کرتے ہیں تو وہ نظر میں جن کو قدبت نے بصیرت عنایت فرمائی ہے محسوس کرتی ہیں کہ انسانی کائنات کا محض اعظم۔ یہ کئی پوش شہنشاہ آج بھی دنیا کو پیغام اخوت و محبت دے رہے ہیں۔ اب جو اس آستانہ عالیہ پر سے لوٹا تو اس کی دنیا ہی پلٹ جاتی ہے۔ نہ چھل نہ فریب نہ بغض نہ عداوت۔ نہ کذب نہ افترا۔ بس اس کے پاس ایک چیز ہوتی ہے

پر غلوص محبت انسان کے لئے نہیں کل مخلوق کے لئے۔ یہ ہے وہ عطیہ خود بار
غریب نواز سے آج بھی وہاں حاضر ہونے والوں کو ملتا ہے۔ یہ پیغام محبت، یہ
مسادات و اخوت آج کی نفرت کی دنیا میں کیسا افادہ می پہلور کھتا ہے۔ انظر من الشمس
ہے۔ جاننے والے جانتے ہیں عمل کرنے والے کرتے ہیں۔

اسی عظیم المرتبت شخصیت نے جب کفر اور اس کے متعلقات کا پوری طرح
جائزہ لیا تو اپنی تبلیغ کے اس نے بھی وہی طریقہ اپنایا جو غیر مسلموں میں مروج تھا۔
یعنی غیر مسلموں میں بھجن، کیرتن گائے جاتے تھے۔ اور اس ہی گانے میں لوگوں کو
ما فیہا سے بے خبر ہو کر اس قدر محو ہو جاتے تھے کہ دوسرا کوئی خیال باقی نہ رہتا تھا۔
اس لئے حضرت غریب نواز نے پیغام توحید کو وقت کے رواج کے تحت
اسی طرح پیش کیا، اور اس کو اصطلاح صوفیہ میں سماع کہتے ہیں۔ لوگوں کی ذہنی
کو آپ نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا اس لئے آپ کا یہ طریقہ کامیاب رہا۔ اب جو شخص
سماع اور اس کی باریکیوں سے واقف ہوا اس کا فن شاعری سے بھی نفوذ ابہت
آشنا ہونا ضروری ہے۔ اسی لئے شاید حضرت صاحب نے موجودہ دیوان
تصنیف فرمایا ہے۔ مگر مستند حالات کے مطالعہ کے دوران کوئی چیز ایسی
نظر سے نہ گذری جس سے اس رائے کی تصدیق ہو سکے اس لئے مستند تبصرہ
ننگار اس مسئلہ میں خاموش دکھائی دیتے ہیں۔ اب اگر یہی بات صحیح ہے اور
اغلب یہ ہے کہ یہ ہی درست ہے تو پھر یہ دیوان کیسا؟ اور دیوان بھی وہ
دیوان جس کا ہر مصرعہ عشق الہی کا آئینہ دار اور پھر ہر غزل کا مقطع غریب نواز
کے نام کا حامل ہے یہ مجھ اس صورت حل ہو سکتا ہے کہ ہم حضرت کے معتقدین

کی طرف توجہ کریں اور ان کے بڑھتے ہوئے والہانہ اعتقاد کو دیکھیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بزرگ حضرت کی تعلیمات کا گہرہ دیدہ عاشق صادق اس دیوان کو تصنیف کرنے والا ہے جس نے یہ مختصر دیوان جو بلند و رفیع پاکیزہ خیالات کا ذخیرہ ہے تصنیف کر کے حضرت کے نام سے منسوب کر دیا ہے سارا دیوان پڑھ جائیے کوئی لفظ مبتذل یا کوئی مصرعہ مضمون کے اعتبار سے کمزور نہ دکھائی دے گا اس لئے یہ کوشش کامیاب کوشش ہے اور اگر اس کو حقیقت کی معراج کہا جائے تو سب سے جانہ ہوگا۔

مجھ جیسا کہ گار انسان جب غریب نواز کی بارگاہ پر حاضر ہوا تو غائبانہ حقیقت کے دریا میں ایک جوش پیدا ہوا۔ وہاں سے واپس آکر طبیعت میں ایک تغیر پیدا ہوا اور خیالات میں پراگندگی کے بجائے سمناء پیدا ہوا۔ اس لئے سوچا یہ کہ کیوں نہ دین کی خدمت کے لئے ان کتابوں کو شائع کیا جائے جو بزرگوں سے متعلق ہیں۔ اتفاق سے اپنے ہی دارالمطالعہ میں کچھ ایسی کتابیں دستیاب ہوئیں جن کو ازراہ حقیقت میں نے پورے اہتمام سے چھاپا۔ فوائد الفوائد کا اردو ترجمہ اسی زنجیر کی پہلی کڑی ہے۔ اس کے بعد دیوان غریب نواز کی کتابت شروع کرائی اور ساتھ ہی ساتھ خواجہ قطب صاحب اور بڑے پیر صاحب کا دیوان بھی کتابت کو دیا۔ خدا کا شکر ہے یہ سب کتابیں دور کتابت سے گزر کر طبعات کے دور میں آگئی ہیں۔ یہ سب ان ہی بزرگوں کا کرم ہے۔ مگر اس منزل تک پہنچنے میں مجھے جن جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے میرا ہی دل جانتا ہے۔ مسودہ کی درستگی نے دماغ کو ہلا کر رکھ دیا پھر بھی یہ درستگی میرے دل کو

نہیں چکی۔ اس کے بعد کتابت میں کیسی کیسی نازیبا حرکات کا تبوں کی برداشت کی
 ہیں یہ میرا ہی دل جانتا ہے۔ پہلی رقوات کتابت کے لئے دیں اور کاتب بھی
 ایسے لئے جو بظاہر عقیدت مند معلوم ہوتے تھے، مگر ہندوستان کے بعض خط
 بد قسمتی سے سب سے فطرت کے حامل ہیں۔ اسی لئے رقیں قبل از وقت وصول کیں
 اور آٹھ دن کا کام دواہ میں کیا اور پھر احسان جتایا الگ اسی سلسلہ کا اور
 دیوان جو زیادہ صحیح تھا ایک باہر کے کاتب کے سپرد کیا۔ آدمی اجلے پوش
 شریف تھے اس لئے میں نے ان کا دل بڑھانے کے لئے مقررہ اجرت کتابت
 کے علاوہ بھی ان کو دیا۔ اور مقدمہ نویسی کی سعادت بھی ان ہی کے لئے
 موقوف کی۔ بہت مختصر مقدمہ لکھا جو صرف حضرت کے حالات پر مشتمل تھا۔
 اس مقدمہ کو انہوں نے بہت اہم سمجھا اور مجھ سے تین سو روپے اس کی اجرت
 طلب کی۔ یہ کام حضرت کا تھا اس لئے میں نے رقم تو ان کو دیدی مگر خریدا ہوا
 مقدمہ دیوان کے ساتھ منسلک کرنا مناسب سمجھا اس لئے وہ مصنف کو واپس کر دیا۔
 یہ ہیں عقیدت و شرف کی وہ حقیقی جاگتی تصویریں جن سے بزرگوں کے نام کو
 اور ان کے کام کو فائدہ پہنچنے کی امید تھی۔ مجھ پر اس واقعہ کا اس قدر اثر ہوا کہ
 کچھ دن میرا دماغ ماؤف سا رہا کہ جب نورانی صورت والے انسان اپنی عقیدت
 کو فروخت کرنے پر تئے ہوئے ہیں تو پھر دنیا داروں کا تو ذکر ہی کیا، اسلام کی
 بھی خیر نہیں۔

اب یہ تو ایک واقعہ ہے ورنہ مجھے بارہا ایسے لوگوں سے واسطہ پڑا ہے
 جنہوں نے ہر قدم پر مذکورہ قسم کی مبتذل حرکات کر کے میرے اسادوں کو دنگ کیا

ہے مگر یہ صرف خواجگان کا کرم تھا کہ یہ کام مکمل ہوا۔ اب میری کوشش دیکھ لیجئے۔ کاتبوں کی سردہری دیکھئے۔ علم والے حضرات کی خود فریبی دیکھ لیجئے اور اس بڑے کام کی تکمیل آپ کے سامنے ہے۔

آپ اس دیوان کو پڑھ کر سمجھنے کی کوشش کریں تو سبحان اللہ در نہ تیرا کلام اپنے پاس رکھیے۔ اس میں اغلاط ہیں۔ ان کو کچھ تو میں نے ڈبٹے ڈرتے درست کر دیا ہے۔ کچھ کامیاں جن صاحب نے دوسرے دیوان کی کتابت کی ہے انہوں نے اجرت لے کر دیکھی ہیں جن سے میں مطمئن نہیں ہوں۔ لیکن انشاء اللہ ہر دفت پر پڑھتے وقت ان پر میری نظر ہوگی۔

موجودہ دیوان ایک دنیا دار کاتب سید اشہد علی صاحب بکھنوی نے لکھا ہے اس دنیا دار کاتب کی دنیا داری پر دین دار کاتب صاحب کی علم دانی اور عقیدت قرآن کی جاسکتی ہے۔ انہوں نے انتہائی محنت سے یہ کام کیا ہے۔ مقررہ اجرت لی ہے مگر دیر ضرور کی ہے، پھر بھی ان حضرت نے جو کچھ لکھا ہے اس لائق ہے کہ اس کی تہد کی جائے۔

اب مطبع دانوں کی ناز برداری باقی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بھی ہمہ برآ فرمائے۔ اب تو خدا گواہ ہے اس کتابی دنیا سے یعنی طبع و نشر کے کاروبار سے دل ہٹ گیا۔ دہن میں نے لویہ سوچا تھا کہ پڑھنے والے پڑھیں یا نہ پڑھیں۔ خریدنے والے خریدیں یا نہ خریدیں میں اپنی زندگی اسلامی مطبوعات کی نذر کر دوں گا۔ مگر انیسویں صدی کی اس سعادت سے مجھے محروم کرنے والے مکر باز صے ہوئے بد دیانتی احسان فراموشی کو گٹھ لگا کر دنیاوی زندگیاں

پُرعیش بنارہے ہیں۔ خدا ان کو نیک توفیق دے۔ آمین۔ مگر میری
ہمت شکستہ ضرور ہو گئی۔

غلام الادبیاء مسلم احمد نظامی
۳۰ مئی ۱۹۵۸ء

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ربود جهان و دلم را جمالِ نامِ خدا
 نواخت تشنه لبان را زلالِ نامِ خدا
 وصالِ حقِ مطلبی ہمیشینِ نامش باش
 بہ بین وصالِ خدا اور وصالِ نامِ خدا
 میانِ اسمِ و مسمیٰ چو فرق نیست بہ بین
 تو در تجلیِ اسمِ اکمالِ نامِ خدا
 یقین بدان کہ تو با حق نشسته شوی و فر
 چو ہم نشین تو باش خیالِ نامِ خدا
 ترا سر و طیران و فضائے عالمِ قدس
 بشرطِ آن کہ بہ پریِ ببالِ نامِ خدا
 چو نامِ او شنوم گر بود مرا صد جان
 فدائے اوست بعز و جلالِ نامِ خدا
 معین ز گفتنِ نامش ملول کی گردد
 کہ از خداست ملالت ملالِ نامِ خدا

ما طلبکار تو ایم و تو گریزانی ز ما
ما بسویت مقبل و تو ردی گروانی ز ما

ما برون از شمش جهت و صد جهت جویان تو
چند خود را هر طرف مشغول گردانی ز ما

هر کجا خواهی شدن ما با تو هم ای بهنجیر
مانی ما نیم از تو گر تویی مانی ز ما

ما چو بجزر و تو چو ابری بارماکش غم مخور
باغ را خندان کنی گر چند گریانی ز ما

گفتش تا چند در پرده نهان خواهی شدن
وقت آن آمد که دیگر رونه پوشانی ز ما

گفت من بی پرده ام گر پرده بینی آن توئی
ما تو هستی در هزاران پرده پنهانی ز ما

چون تویی پیشیت حقیقی چند نام این دآن
این وجود عارضی باشد که بتانی ز ما

گفته شستم زمر آینه ظاهر شد معین
 من چه گویم که سر که شد چون خودی دانی زما

دلا بخلقه زندان بزم عشق درآ
 که جرعه ز شراب بقا دهند ترا
 بیا دهر دو جهان را بشد راندن
 درین قمار بیک داد هر چه هست درآ
 اگر بقا طلبی اولت فنا باید
 که تا فنا نشوی ره نمی بری به بقا
 تو باز شاهی و از دست شاه پیریدی
 بغیر شاه کن میل و سوئی شه باز
 ز ظلمت بسته ریت چو بگذری برسی
 ازین حنیض دناست برادرج او ادنی
 براق عشق برائے تو صد قدم طی کرد
 تو هم مضائقه بگذار و یک قدم پیش آ
 تو چند در طلب یار در بدر گردی
 به خود نگر که تویی منظر همه آسما

باین مبین که تو خالی و خاک تیره بود
 باین نگر که تو آئینه جمال نما!
 سحاب عشق چو یاران شوق می بار د
 عجب مدار گراز خاک بشکفتد گلهای
 نقاب هستی خود را تو از میان بردار
 و گز مبین که جمال که میشود پید
 بگیر مصقله عشق و رنگ تن بزدا
 به بین در آئینه جان جمال جان را
 بکوش تا که ز چشمت غبار بخیزد
 که تا معائنه بینی ظهور نور حرا
 اگر تجلی نور ترم همی خواهی
 معاین نقاب حدث و از جمال خود بکشا

هر که روزی یک قدم برداشت اندر راه ما
 عاقبت ره بُرد سوئی بزمِ عشرت گاه ما
 آفتاب از اوج عزت رخ نهد بر خاکِ پاش
 هر که بر رویش نشیند گرد از درگاه ما
 بردواند اسپِ همت بر فرازِ سپهر
 هر گدائی کو نهد رخ بر بساطِ شاه ما
 یک نشان با من بگوئی از رهروانِ راهِ عشق
 تا مگر باشد بر راه آید دلِ گمراه ما
 پرده هستی اگر سوزی بنارِ لا اله
 آن نمان بنی پرده بینی نورِ الا الله ما
 جان بر افشاندن بیادش از خدایِ خوشت دل
 شد بحمد الله میسر عاقبت دل خواه ما
 بر دلِ غافل کجا تا بد فروغِ مهر و دوست
 هبطِ آن نور نبود جز در دلِ آگاه ما

من ازان ترسم کہ سوز و بالہائے قدسیاں
 شعلہ گر بر فلک آتا بد ز سوزِ آہِ ما !
 در شبستانِ بدن نورِ خورشیدِ مطلبِ معین
 عالمِ جانِ بین منور از سر و رخِ ماہِ ما

ز پیش خویش بر افکن نقاب دعوی را
 بین بکسوت صورت جمال معنی را
 بزن بسنگ ملامت ز جاجه ناموس
 به کوهی عشق بریز آب روی تقوی را
 چو هشت باغ جناں خوشه زخمن است
 به نیم جونه خرم کشت زار دنیا را
 بحق او که بگویند چشم نکشایم
 که تا سخت نه بینم جمال مولی را
 ز برگ برگ درخت وجود خوشنودم
 رموز عشق که گفت خت موسی را
 اگر ز آتش عشقت بسو ختم چه عجب
 که کوه تاب نیاورد یک بتجلی را
 معین به چشم خرد حسن دوست نماید
 به بین بدیده مجنون جمال لیلی را

اے زشرم روی ماہت در عرق غرق آفتاب
 وز فر دغ باہ رخسار تومہ اندر نقاب
 آفتاب از خاک راہت یافت چہمت لاجرم
 در فضائے آسمان ز دخیمہ زرین طناب
 گر ز انوار رخت یک شعلہ تا بد بر فلک
 از حیا مستور گرد آفتاب اندر نقاب
 نو حقیقت آن مجسم گشتہ در ذات نبیؐ
 بہچو نور ماہ کز خورشید کرد دست الکتاب
 نقرہ جناب چرخ را از مہ کشد زرین لگام !
 در شب اسرار چو آرد پائی ہمت رکاب
 از فلک بگذر کہ فوق العرش منزل گاہ اوست
 چون کند غم سفر اے خواجہ عالی جناب
 سیر ما اوحیٰ ننگبہ در ضمیر جب ربیع
 کشف اسرار لدنی کی کند اتم الکتاب

در مقام بی مع الشد از کمال اتصال
 از خدانه بود جدا، همچون شعاع از آفتاب
 از محمد دیده باید فرض کردن در بهشت
 چونکه بیرون آید انوار تجلی از حساب
 یا رسول الله شفاعت از تو میدارم امید
 با وجود صد هزاران جرم در روز حساب
 اندران روز یکم بهر انتقام عاصیان
 آتش دوزخ برافروزد علم از آفتاب
 در خیال من نمی گنجد متناس بهشت
 دارم از فضیلت امید رستگاری از عذاب
 هر چه خواهی با معیّنی بیش بر از هر لطفت
 لیکن از در گمراهی و ان الله اعلم بالصواب

بگوش جان من آمدند اے عالمِ غیب
 ز خوان وصل شنیدم صلائی عالمِ غیب
 بہ باغ قدس تماشا خوشست اگر خواہی
 بر آب منظرۂ دل کشائی عالمِ غیب
 بہ بحر قلزم وحدت کند شناوری
 ولیکہ گشت بجان آشنائی عالمِ غیب
 ولازم مطلع غیبی بتافت نورِ ظہور
 گرفت کون و مکان راضیائی عالمِ غیب
 جمال شاہد جان بین درای پردهٔ خاک
 چنانکہ نورِ خدا زورائی عالمِ غیب
 مشامِ روح مروج کن از روحِ قدس
 ز نفحۂ نفس عطری سائی عالمِ غیب
 ندائی عالمِ غیب از حق نمی شنوی
 شنوز لفظ پیمبر صدای عالمِ غیب

ترا به حضرت عزت همی نماید راه
 محمد عربی رهنمای عالم غیب
 بر اوج طارم قدس آمد از نشیمن خاک
 نهاد بزم طرب در فضائی عالم غیب
 نشست بر پر جبریل و بال اسرافیل !
 که تا رسید بخلوت سرای عالم غیب
 چه شد ندیم سراپرده گفت جبرئیل !
 که بین گوئی محمد شانی عالم غیب
 چو او نمود بعجز اعتراف لا اِلهَ اِلاَّ هُوَ
 شناس گفت بقرآن خدای عالم غیب
 زد و دجام دل از صیقل محبت پاک
 بید نور خدا و صفائی عالم غیب
 عروج نیست میسر بر اوج او اَدْنی !
 مگر به پیروی مقتدا می عالم غیب

ز شاخ سدره بر آرد صغیر نغمه عشق !
 چو بلبلے کہ بود خوشنوائی عالم غیب
 معین چو طائر قدس از تهنس و دبیرین
 گهی کہ در سرش افتد هوای عالم غیب

خزینه‌هاست مرا پُر نقدِ علم و ادب
 کجاست آه سحرگاه و ناله دل‌شب
 مباش تشنه لب اندر باده‌ی عصیان
 که بحر رحمت ماموج میزند بر لب
 ظهور نور ربو بیت از براءے تو شد
 ازان زمان که ترا گفته ام اَللّٰهُ بِب
 تو بنده من و من رب تو بخشش است
 ز مادر و پدرت چون کنیم قطع نسب
 هزار دام کشادم که کرده ام صیدت
 گرت کنون بر بایم ز دام خود چه عجب
 هزار بار جواب تو گفته ام لبیک !
 بدان امید که یکبار گوئیم یارب
 نظر به رحمت ما کن مخور فریب عمل
 چو شد پدید مسبب معطل است سبب

جمال ذات به حسن صفت بیا را یم !
 حجاب بر فکنم بس بگویمت فارغب
 مرا محو که نیابی بس باغ عالم قدس
 درون سینه سوزان عاصیان به طلب
 بوقت در دو طلب لطفهای من دیده !
 قیاس کن که چه بینی بوقت عیش و طرب
 معین ز نام و نشان در گذر که در در عشق
 غلامی سگ کونیش ترا بس ست لقب

عالم نمی از رشتۀ سحر کرم اوست
 آدم گفت خاکی ز غبارِ قدم اوست
 آدم شد بیدار و هنوز او بشکر خواب
 شایاش وجود یکۀ طفیلِ عدم اوست
 عیسی که چو خورشید ز زخمیه بر افلاک
 در آرزوی سایۀ عالی علم اوست
 دُر در شکمِ بحر نهافت و دلِ او!
 دُرِ بیت که صدفِ بحرِ نهان در شکم اوست
 هر بنده که دارد خطِ آزادیِ دوزخ
 آن بنده غلام وی و آن خطِ رقم اوست
 شادی جهان کرد فدای غمِ امت
 دانست که شادیِ جهانی به غم اوست
 چون دید که نیکی و توکم بود بدی بیش!
 زین واسطه دانم که غم بیش و کم اوست

جانم که طپد هر نفس از بهر وصالش !
 موقوف برون آمدن دم بدم اوست
 داریم امیدی که نپرستد به محشر
 تقصیر معیننی که بنا بر کرم اوست

توئی که جز تو ترا خود حجاب دیگر نیست
 بغیر نور رخت را منقاب دیگر نیست
 توئی معرف خود لا جرم بدیسی گشت
 که در تصور تو اکتساب دیگر نیست
 رموز عشق ز لوح دلم مطالعہ کن!
 کہ حل نکتہ عشق از کتاب دیگر نیست
 شہود حق طلبی از وجود خود بگذر!
 کہ جز وجود تو اورا حجاب دیگر نیست
 ز قشقرق بگذر در لباب جان بنگر
 دران لباب عجب گر کتاب دیگر نیست
 بمرز ابد مادر خمار خمر بہشت!
 گمان برد کہ جز آن می شراب دیگر نیست
 چو محو تست معین نام او چہ می پرسی
 کہ جز خموشیش اکنون جواب دیگر نیست

این چه نورست که بر کون و مکان تافته است
 نور عشقست که از مطلع جان تافته است
 عشق مانند همایست که از اوج شرف
 سایه دولت او بر دو جهان تافته است
 تو درون دل و بومی تو ز خود می شنوم
 نکت عطر تو بر غالیه دان تافته است
 بهر نادیدن خفاش نگر و دپنهان
 آفتاب که ز هر ذره عیان تافته است
 خواست خیاط قضا خلعت خاصی دوزد
 رشته ما و ترا بر هم ازان یافته است
 عکس رخسار تو در دیک گریان منست
 هم چو خورشید که در آب روان تافته است
 شعله ز آتش دل از نفس سوزا نم
 آه ازین سوز که بر کام و زبان یافته است

بر سر راه طلب عاقبت آریم کجف
 دولتی را که ز عشاق عنان تافته است
 بزم حاصل است معین باده و حدتش آرد
 بان که مستی تو بر مجلسیان یافته است

چشم بکشان که آفاق پر از نور خداست
 خالی از نور خدا در همه آفاق کجا است
 معنی که نظر خلق نهان بود مدام
 نیک بنگر که نمودار ازین صورت ماست
 آن جماع که نظر نیز دران محرم نیست
 هم چون خورشید در این آئینه پاک است
 گفتمش چند بود حسن تو پنهان گفته
 حسن پیدا است ولی دیده بیننده گراست
 سبک آ از خود و از هر ظرفی بهره مجوی!
 که کششها همه در جا ذب کاه رباست
 طبل عشقت که در کون و مکان می گویند
 پنبه از گوش برون کن بشنوین چه صد است
 شد معین با تو نخل و تگر و حدت محرم
 تا که از هستی و از نیستی خویش جداست

مستم امروز از ان باده که در جام دلست
 تا ابد چاشنی عشق تو در کام دلست
 تشنگی دل از ان نیست که یابد تسکین
 که همه جوئی بهشت است که یک جام دلست
 تن پرستی ست که میلش به نعیم دو جهانست
 جام دیدار خدا و عده انعام دلست
 اضطراب دلم آرام نگیرد به بهشت
 دیدن روی دل آرام من آرام دلست
 میرود هر نفس از دل بخدا پیکر دعا
 قدسیان ابره فلک گوش که پیغام دلست
 چون دل از عالم پاک آمده در کشور خاک
 هم با بنجار و دآخر که سرانجام دلست
 از تو تا دوست گراز عرش بود تا شیری!
 از کم و بیش میندیش که یک گام دلست

سرکشی چون کند آن تن که دلش کشت سوار
 توبه بین نفس جموح ست ولی رام دلست
 ظلمت غار بدن گشته حجابت ورنه
 تابش نور خدا بر در و بر بام دلست
 طایر عشق که از کون و مکان آزادست
 مرغ زیرک صفت آویخته در دام دلست
 خطبه سلطنت و سکه دولت که زدند
 تاجداران ملائک همه بر بام دلست
 نکته عشق که بر لوح بیان ثبت نیست
 بر معینی همه معلوم به اعلام دلست

آتش افروخت عشق و جسم و جان من بسوخت
 گفتم آهی برگشتم کام و زبان من بسوخت
 آتش دوزخ ندارد تابش روز و سراق
 آه ازین آتش که پیدا و نهان من بسوخت
 نار دوزخ گرچه سوزد پوسته های عاصیان
 آتش، بجرانش مقرر استخوان من بسوخت
 نعمت هر دو جهان با عافیت می خواست دل
 آتش عشق آمد و هر دو جهان من بسوخت
 دنیا و عقبی برفت و عشق مولی ماند و بس!
 سطوت نور تحبلے این و آن من بسوخت
 اهل عقبی سود برد و طالب دنیا زیان
 گرمی بازار را و سود و زیان من بسوخت
 تشنه دیدار یارم در بیابان طلب
 کاتش این تشنگی روح و روان من بسوخت

چون نشان بے نشانی در ره گنای ست
 برق استغنا از ان نام و نشان من بسوخت
 چونکه در مرآت جان دیدار جانان شد عیان
 ظلمت تن در ظهور نور جان من بسوخت
 صد هزاران پرده بود اندر میان ما و دوست
 جمله از یک شعله آه و فغان من بسوخت
 مگر معینی پیش ازین گفتی ز حسن شمس
 این زمان نورش شرح و بیان من بسوخت

آتش آید پدید و جسم و جان یکسر بسوخت
 دل درون سینه ام چون عود در محجر بسوخت
 سوخت جسم جانم ای محرم خدا را باز پرس
 کین چه آتش بود کز وی بجایه بحر و بر بسوخت
 اینچه آتش بود کما مد حاصل از مقداح غیب
 کین هلمه عقل را در اوج فکر پر بسوخت
 اخگری می بود پنهان زیر خاشاک وجود
 عاقبت یک شعله زد مجموع خشک و تر بسوخت
 من ز دیده نخریتم آب که بنشیند علم !
 اشک خون آلود بود و آتش هم تر بسوخت
 خواستم آهی زخم شاید که سوزم کم شود !
 در تنم آتش فتاد و بر فلک اختر بسوخت
 خلق گویند معاین این رمز بر منبر گوی !
 آه کین آتش هزاران وعظ و منبر بسوخت

کسے کہ عاشق و معشوق خویشتن ہمہ اوست
 حریف خلوت و ساقی انجمن ہمہ اوست
 اگر بیدہ تحقیق بے سگر می دانی !
 کہ ناظر دل و منظور جان و تن ہمہ اوست
 چون اندر آئینہ دل قتاد عکس رخس
 چنان نمود کہ در جسم و جان من ہمہ اوست
 اگر تو خرقة هستی خویش پارہ کنی
 نظر کنی کہ در بین زیر پیرہن ہمہ اوست
 ز جام عشق نہ منصور بیخود آمد و بس
 کہ دازینہ ہی گفت بارسن ہمہ اوست
 کہ بر دیوئے دقرین ساخت با او یس قرن
 سوئی مدینہ کہ آورد از قرن ہمہ اوست
 رموز عشق کند آشکار و نندیشد
 چو دل بید کہ در سر در علن ہمہ اوست

گو کہ کثرتِ اشیا نقیض وحدتِ تست
 تو در حقیقتِ اشیا نظر فلکِ ہمہ اوست
 تعینِ ستِ گر از اعتبارِ ماؤ منست
 ز اعتبارِ گذر کن کہ ماؤ من ہمہ اوست
 چونائی کہ نہد بردہاں فی لبِ خویش
 نہادہ بردہن عاشقانِ دہن ہمہ اوست
 چہ جائے بادہ و جام و کد ام ساقیِ مست
 خموش باشِ معینے و دمِ مزن ہمہ اوست

یارب این صورت که در مرآت جان پیدا است کیست
 آچنان حسنی درین پرده نهان پیدا است کیست
 ذره ذره نیست خالی در همه کون و مکان
 وان که بیرونست از کون و مکان پیدا است کیست
 آفتابی در لباس ذره های مختلف
 نور دیگری می فروزد هرزبان پیدا است کیست
 گر بظاهر در لباس ماتی پیداد ایک
 آنکه پنهانست اندر مغز جان پیدا است کیست
 آنکه اندر بزم جان هر دم باواز دگر !
 می نواز د پرده صاحب دلان پیدا است کیست
 آنکه خود بر خود تجلی می کند پس خود بخود
 عشق می بارد بنام عاشقان پیدا است کیست
 چند هر ساعت من و تو در میان آری معین
 آنکه مقصود از من و توست از میان پیدا است کیست

نام او می بردم اول تا چنان شد عاقبت
 که چو شیر اندر رگ جانم روان شد عاقبت
 یاد او با جان چنان آمیخت کز فرط طلب
 یاد او او گشت او در جان نهان شد عاقبت
 خلق می گفتند یادش تا جنون خواهد شد
 این سخن باور نکردم تا چنان شد عاقبت
 مدتی دل را توقع بود زان لب شربتی
 آرزوی دل بکام عاشقان شد عاقبت
 آنکه اندر پرده عصمت گهی مستور بود
 پردها افکند و رسوائی جهان شد عاقبت
 رشته جان مرا بگینخت مقراض فراق
 نا امید وصل تو پیوند جان شد عاقبت
 هر دلی کز بی نشان می خواست تا یا بد نشان
 چون معین در بی نشانی بی نشان شد عاقبت

در ره عشق توام درد تو همراه بس است
 مونس خلوت دل آه سحرگاه بس است
 ره مخوفست و شب مظلم و دشمن به کمین!
 رهبرم نور تو کلفت علی الله بس است
 در حریم حرم خاص گرت ره ندهند
 همت از دور زمین بوسی درگاه بس است
 حُسن ساقی به توبه پرده اگر جلوه نکرد!
 عکس افتاد بجام دل آگاه بس است
 چون من القلب الی الرب نکشاند درے
 پا بدامن کش و نبشین که همین راه بس است
 حشم عقل بزیر علم عشق در آرد!
 در سپاهی که هزار ندیکی شاه بس است
 همچو خورشید مکن جانب هر ذره نگاه
 زانکه در فسحت دل منزل یک ماه بس است

تو کو خواه دی و جنت وصل آن تو شد
 دالتش هجر نصیب دل بد خواه بس ست
 مگر مطیعان همه طاعت بر دست برند
 ای معین بدرقه آه تو یک آه بس ست

مزار عشق تو در دیست در دل مجروح
 که گر چه شرح دهم هم نمی شود شرح
 الفتوح عالم غیبی همی کنند تبار
 گهی که در گه میخانه می شود مفتوح
 صباح روز ازل ساقی است چه گفت
 اَبَا فَرِیقُ سُکَّارِ اَتَهَا دُرُؤُا لِبُصْبُوحِ
 چه جرعه هاست که بر خاک تن می ریزد
 زباده که دلم نمی کشد ز ساغر روح
 سوار کاری میسدان چرخ می سزد
 اگر ز دست غنائی لگام نفس جموح
 فَتَوَزَّوْجُهُ حَبِیْبُهُ بَعْدَ مَا طَلَعَتْ
 بِلَا مَظَاهِرِ اَیَّاتِهِ تَکَاوُلُوحِ !
 معین به عشق دهد جان گیر عیب که مور
 برد به پیش سلیمان بخور و خویش فتوح

ای از ظهور نور تو کون و مکان پدید
 از عرش تا به فرش ز نور تو آفرید
 شمس و قمر گوی که انوار انبیا
 اندر ظهور خویش ز نور تو مستفید
 بر روی هر که بسته سعادت در عطا
 وقت دعا سپرده بدر بان تو کلید
 شد در قیود شیطنتش گردن استوار
 از ربه متابعت هر که سر کشید
 جان کز بدن چو آهوائی حشری میرده بود
 بر بوی مشک نافه زلف تو آرمید
 تو بحر رحمتی و من آلوده گناه
 پاکم بشوئی ای ز تو پاکی هر پلید
 هر دیده را تحمل دیدار دوست نیست
 جز دیده که دام کنند از تو اهل دید

از جامِ صافِ عیشِ کسے چاشنی گرفت
 کز خمِ عشقِ دُرُومی درد تو در کشید
 زانم چہ غم کہ ہر نفسِ عمر کم شود
 چون ہر تست در دل و جان دم بدم نریز
 خواہد معین کہ حُسن تو بیند معائنہ
 خرسند تا بکی شوم از گفتم و از شنید

اسی تو سلطان دار ملک وجود
 ہمہ عالم طفیل تو مقصود
 مرکز محور وجود توئی !
 کہ بہ تو قائم ست ہر موجود
 اول و آخر بجان و بہ تن
 ظاہر و باطنے بچشت وجود
 مبدآت از کجاست منہ بدا
 منتہی تا کجای الیس یعود
 ز اولت نام ازان محمد شد
 کا مئت راست عاقبت محمود
 گر ملک سر کشد ز خدمت تو
 ہم چو ابلیس می شود مردود
 شک جام جهان نمائی دلت
 منظر اسم شاہد و مشہود

جامِ جانِ زردوده صیقلِ عشق
 از برایِ ظهورِ نورِ شهود
 تا نموده ز جامِ هستی تو
 هر چه بود ست و هست خواهد بود
 می فرستد معین در و دیو تو
 حق تعالی ز من شود خوشنود

در جان چو کر و منزل جانانِ ما محمد
 صد در کشاد در دل از جانِ ما محمد
 ما بلیلم نالان در گلستانِ احمد
 بالولوئیم و مرجانِ عثمانِ ما محمد
 مستغرق گناهیم هر چند عذر خواهیم
 پشمرده چون گناهیم بارانِ ما محمد
 از درد زخم عصیان ما را چه غم چو سازد
 از مرهم شفاعت در مانِ ما محمد
 امروز خونِ عاشق در عشق اگر بدرشد
 فردا از دوست خواهد تاوانِ ما محمد
 ما طالبِ خدائیم بر دینِ مصطفائیم
 بر در گش گدائیم سلطانِ ما محمد
 از امتانِ دیگر ما آیدیم بر سر
 دان را که نیست مادر برهانِ ما محمد

ای آب و گل سروے دی جان دل دروے
 تیا بشنود بہ یثرب افغانِ ماحمّد
 در باغِ دلوستانم دیگر محوانِ معینے
 باغم بس ست قرآنِ بتانِ ماحمّد

اگر لباسِ حد و ثَم بدر کنی چه شود
 مزارِ سرِ حقیقت خبِ سر کنی چه شود
 بگوئی خسته دلائی که جان رسیده بلب
 اگر بر رسم عیادت گذر کنی چه شود
 که سر نهاد برین در که در کشاده نشد
 شبی بصدقِ برین در لبِ سر کنی چه شود
 دلاجمال خدا چشمِ سر نمی بینند
 اگر بریده سر یک نظر کنی چه شود
 گراعتِ دالِ هوائی محبتش خواهی
 هوائی خویشتن از سر بدر کنی چه شود
 بگو بعقل که تا چندشش جهت گردی
 جهات را همه زیر و زبر کنی چه شود
 بگفتش چه سفرها معین برائی تو کرد
 بگفت یک قدم از خود سفر کنی چه شود

مگر فصلِ بہار آمد کہ عالم سبز و خرم شد
 مگر وصلِ نگار آمد کہ دل با عیش ہمدم شد
 بیا ہم چون خلیلِ امشب ز غارتن بروں بگر
 کہ نورِ حق پدید آرا از ہمہ ذرات عالم شد
 ہزاران جام ہر لحظہ بکام دل ہی ریزد
 ازان دریا کہ یک قطرہ نصیبِ عرشِ عظم شد
 ولم رانا لہ و افغان چون فیضانِ صبعین آمد
 کہ تقسیمِ زنی باشد صد اگر زیر و کریم شد
 چو درد دل در میدانِ شہِ زروحِ خوشیتن واللہ
 ز غیبِ الغیب شد آگہ ولی کو حاضر دم شد
 ملائک بہر یک قطرہ باندہ چون صدقِ تشنہ
 ہزاران بحر بے پایانِ نثارِ خاک آدم شد
 دل بے غم ہی خواہی دلِ غمگین بدست آرد
 چو دلِ غمگین عشق آمد ز غمہا جملہ بے غم شد

اگر بایار خود باشی ترا دوزخ بهشت آمد
 و گرنی یار خود مانی ترا جنت جهنم شد
 الا ای ناصح عاقل کمال از ما چه می جوئی
 ترا شیخی نصیب آمد مر رندی مسلم شد
 اگر بادرنمی داری ز هستی سوئی مستی رو
 قد جهانی خدائی بین که برستان دادم شد
 مگر آن ساقی وحدت نقاب از رخ برافکنده
 که جام و بادیه یکسان گشت و بحر و قطره در هم شد
 مرا می گفت کای عاشق به عشوقتی رسی آخر
 بحمد الله که از عالم نه فتم تا که آن هم شد
 چو بحر عشق موجی زد و سحاب جو و باران شد
 وجود واجب و ممکن مثال بحر و شبیتم شد
 ز هستی چون جدا گشتم حریم کبریا گشتم
 چون از خود فنا گشتم چه گویم هر چه گویم شد

معین را در صغیر آئیں منبر در سخن آورد
 کہ در گہوارہ طفلے قرین ابن مریم شد

چشم بکشمائی که دیدار خدا جلوه نمود
 دیده شو یکسر و بند و گرفت و شنود
 عکس رخساره ساقی بنمود از رخ جام
 هوش و آرام زمستان محی عشق ربود
 ساقی عشق مرا روز ازل با حق چنانند
 تا ابد هر نفسم مستی دیگر بفرود
 یارب این مستی من زان می بزم از است
 یاز هر لحظه بمن باده و یکسر پیمود
 دل چو آینه حق آمد و صیقل غم عشق
 ای خوش آن دل که می عشق تغارش بندود
 آندلی که ظلمات بشری یافت خلاص
 عکس انوار خدا بود و هر چه نمود
 عکس حق تو و عکس تو در آینه جان
 عکس عکس تو یقین دان که همان عین تو بود

باده صافست پندار که رنگین شده است
 آن زهم رنگی جامست که شد سرخ و کبود
 عشق در دار بقا زو بدلم روزنه
 تا که در تافت بقصر عدم نور وجود
 ذره هستی من از پی خورشید ازل
 کرد ازین روزنه گن فیکون میل صعود
 موج دریای قدم شبنم امکان برداشت
 شد نهال غیب شهادت همه در بحر شهود
 از پس پرده همی داد نشان از من و ما
 من و ما رفت همو ماند چو برق بکشد
 اول و آخر و ظاهر و باطن همه ادست
 که همو بود و هموست و همو خواهد بود
 عشق بی پرده همی باخت معین باخ دوست
 پیش از این کز من و ما نام و نشان نیز نبود

این چه سود است که اندر سرامی جنبید
 این سر رشته ندانم ز کجای جنبید
 جنبش رشته عشق از طرف تست ازل
 میلت اندر دل عشاق چرامی جنبید
 کشش تست که کوه الم از جای برود
 دل نه کاهست که از باد و هوای جنبید
 جنبش سایه چو از جنبش شخص ست بدم
 سایه از شخص میپندار جدای جنبید
 هر کجا شاخ گل هست در اطراف چمن
 همه از تقویت باد صبا می جنبید
 دست از دامن عشق تو نخواهیم گذاشت
 به خدا تا رفتی در تن مای جنبید
 نخل عشق تو باغ دل خود شاند معین
 بین که در صرصر غم پیچ ز جایی جنبید

گر آہ آتش بارِ من یک شعلہ بیرون زند
 این آتشِ پنهان علم برگنبدِ گردون زند
 سرِ نہان پیدا شود کون و مکان یکتا شود
 دل غرق آن دریا شود و کوموہای خون زند
 اے دل تو مشکوٰۃ وئی طغرای آیات وئی
 آئینہ ذات وئی کس پیش تو دم چون زند
 از خندہ گم ریز و نمک بر ریش جان آید ہمہ
 و ز غمزہ گم خنجر کشد ہم بر دل محزون زند
 واللہ کہ در رگہای جان چون شہد و شیر آر و دان
 یلی چو تیر امتحان بر سببہ مجنون زند
 عشق از نورای لامکان ز دخیمہ اندر باغ جان
 از خلوتِ خاصی چنان کے تختِ خود بیرون زند
 مفلس چو یابد گویہری پوشد زہر بد خستہری
 مسکین معین در ہر درے زان لعلِ دگر گوئی زند

مراد دل بغیر از دوست چیزی در نمی گنجد
 بہ خلوت خانہ سلطان کسی دیگر نمی گنجد
 درون قصر دل دارم بجی شاہی کہ گر گاہے
 ز دل بیرون زند خیمہ بہ جبر و بر نمی گنجد
 بصد رمنہ ہر دل خیالش کی زند تکیہ
 کہ ہند کبریا می او بہر منظر نمی گنجد
 تنت مگر چند موئی شد حجاب جان بودیے را
 میان عاشق و معشوق موئی در نمی گنجد
 صفیر ماتم غیبی بگوش مرغ جان آمد
 کہ در اوج ہوائے عشق بال و پر نمی گنجد
 نفی ذات خود بودن ز اثبات صفات اولے
 ترافسر چہ کار آید چو این جاہر نمی گنجد
 حساب عمر صد عاقل بہ محشر بگذر دیکدم !
 حساب عمر یک دم عاشق بصد محشر نمی گنجد

رموزِ عشق اگر خواہی ز لوحِ دل توان خواند
 کہ صر فی از روایاتش بصد دفتر نمی گنجد
 ز بحرِ عشق یک قطرہ ظہورِ منظرِ صورت
 بطرفِ ہمت عاشق ازین کمتر نمی گنجد
 بآن جامی کہ من خوردم نہان کے ماند اسرارم
 شرابِ عشق در جوش ست در ساغر نمی گنجد
 معینی گر ہی خواہی کہ سرش بر زبان لائے
 مقامِ آن سیرِ درست بر منبر نمی گنجد

مگر صبا ز سبر کوئی دوست می آید!
 کہ از زمین و زمان بوی دوست می آید
 چه رشکهاست کہ از یاد می برم ہر شب
 کہ روی او ز چہ بروئی دوست می آید
 ز کوئی دوست چو عاشق کشیدہ دارد پائے
 کند شوق ہم از موئی دوست می آید
 وفا چگونہ کند عقل و ہوش با من مست
 چنین کہ جام ہیا ہوئی دوست می آید
 ہر آنچہ آید از غیب نیک و بد منگر
 ہمین بست کہ از سوئی دوست می آید
 ازین مصائب دوران مثال شادان باش
 کہ تیر دوست بہ پہلوئے دوست می آید
 بیا بوعظ معینے رموز عشق شنو!
 کہ از حکایت او بوی دوست می آید

فیض خدا که بر دل آگاه می رسد
 لے دل به ہوش باش کہ ناگاہ می رسد
 بگذر ز فکر روزی و مذاق را شناس
 بنگر چگونہ رزق تو دل خواہ می رسد
 امی تشنہ بود می عصیان مبرا مید
 کا مواج بحر رحمت اللہ می رسد
 در باغ جان شگفتہ شود صد گل مراد
 دان نغمہ کو نسیم سحر گاہ می رسد
 زد پیک عشق حلقہ سحر بر در دلم
 آورد مشردہ کہ شہنشاہ می رسد
 در شاہراہ سیمہ در افتاد غلغلہ
 گفتند شاہ عشق ازین راہ می رسد
 گفتم چہ پیش کش کنش پیک عشق گفت
 ہین ما خضر بیا کہ از راہ می رسد

یعنی شرابِ اشک و کبابِ جگر بیا
 با آہ و نالہ کز دلِ اُدا آہ می رسد
 چون تحفہ پیش بر دم داند بر دم کشید
 مانند کھربا کہ پر کاہ می رسد
 جائے کہ زاهدان بہزار را بعین رسد
 مستِ شرابِ عشق بیک آہ می رسد
 بی یار خود سفر کن از بیچ حد معین
 تنہا مرو بپاش کہ ہمراہ می رسد

واقف آنست که دل واقف اسرار شود
 بجائے آنست که جان طالب دیدار شود
 گنج مخفی چو به بازار ظهور آید است
 عارف آن به که ز خلوت سوئے بازار شود

هیچ دانی ز چه ز دخیمه بصیرت ظهور
 تا رخس ز آئینه کون نمودار شود
 وہ چه دانم کہ درین واقعہ سرگردانم
 چه عجب گر جگر من ریش دل افکار شود
 خلق گم بہر ظہور اند چرا محبوب اند
 ہیچ دیدی کہ حجب موجب اظہار شود
 چون مجاہد منم آخر ز میان برخیزم
 ماہمودید و دبسنندہ دیدار شود

او در آئینہ من چہرہ خود می بیند
 خود بدین واسطہ مطلوب و طلبکار شود

حاصل آنست که این مسئله بجای هیچ است
 دین سخن مشکل اگر راست به دشوار شود
 از چو خود عارف خود آمده ما محرومیم
 بس نهان از که بد و بر که پدیدار شود
 قدر جوهر نشناسد مگر آن جوهری
 که صدف بشکند و خود در شهوار شود
 پرده آب و گل از روی دل و جان بردار
 تا همه ظلمت هستی توانوار شود !
 نیست اغیار که آئینه یارند همه
 تو ز آئینه رخس بین که همو یار شود
 هر که در بزم بقا جام بقا نوش کند
 دست در جمل انا الحق زده بردار شود
 عکس رخساره ساقی چو فتد بر رخ جام
 روبرو میخانه کند زاهد و خمار شود !

هر کمر اعقده زلف تو دور آرد بکند
 بگسلد رشته تسبیح و بز تار شود !
 این چه رازست که از پرده برون می افتد
 تا دل بے خبران واقف اسرار شود
 یعنی آن لطف و عنایت که خداوند است
 چه عجب باشد اگر بنده گنهگار شود
 چون پیرسیدن بیمار خود آئی سحری
 تندرستان همه زین واقعه بیمار شود
 تو بخوابی و سرت یار گرفته بکنار
 چشم بختت بود آن روز که بیدار شود
 هر که چون نقطه نهد یک قدم از خود بیرن
 اندرین دایره سرگشته چو پرکار شود
 این همه باد که بر جان معین پیوست
 دل سرتش از آن نیست که هشیار شود

وگر که غمزه ساقی کرشمه فرمود !
 که هوش و صبر زمستان بزم عشق ربود
 نه عقل مانده عشق و برفت ظلمت و نور
 بسوخت آتش غیرت هراچیز بود نبود
 چو آفتاب محبت بتافت روشن گشت
 که در برابر هر ذره آفتابی بود
 چه صیقلیست ندانم شراب حدت خاص
 که زنگ غیر بکلی ز جام دل بزود
 ز زنگ غیر چه جام دلم مصفا شد
 ز ذره ذره من نور حق جمال نمود
 حدیث خود بزبانم بر اهل مجلس گفت
 بگوش مستمعان راز خود ز خود بشنود
 کشاد کار معیانی ز قبض و بسط محوی
 بیا که ساقی و حدت هر سبب بکشد

راه بکشائی که دل میل ببالا دارد
 پرفی برگیر که جان غم تماشا دارد
 باز دل کز شرف قصر ازل کرد نزول
 باز پرداز کنا میل همان جا دارد
 دلم از عین عدم رفته سوئے قاف قدم
 صعوہ زابین کہ ہوس صحبت غنقا دارد
 من اگر خود نروم او کشدم جانب خود
 ہم از ان سلسلہ عشق کہ با ما دارد
 کہ بخود خواند و گاہی ز خود می راند
 آہ ازین غمزہ کہ با عاشق شیدا دارد
 حسش اندر پس صد پرده چنین جلوہ گریست
 وای ز آن روز کہ آن چہرہ ہویدا دارد
 گرچہ از جای بروست ولیکن بخدا
 کہ شب و روز درون دل ما جا دارد

عافیت چهره دل دار عیان خواهد دید
 هر که آئینه ز زنگار مصفا دارد
 حسن آن ماه چو خورشید پدیدست ^{معیّن}
 محرم آنست که او دیده بینا دارد

شراب ساقی ماستی از جایی دگر دارد
 که از یک قطره جمعی را از عالم بے خبر دارد
 نه از جام ست این مستی نه از خم و نه از باده
 ولی در چاشنی گیر می بران لبها گذر دارد
 به پرد عقل و دین از سر نه دل مانند جان در بر
 اگر آن ساقی دلبر نقاب از رو ببرد دارد
 بغیر عکس انوار جمال خود چه می بیند
 نگار من که در آئینه جام نظر دارد
 نمی گوید که درویشم بیایک لحظه در پیشم
 نگاری کن پی خویشم چو حلقه در بدر دارد
 کند بندم جدا از بند و دیگر هم نه نواز د
 دلم گر ناله دارد چو فی زین رهگذر دارد
 چو طور ابر پر تو نورش دلم از مهر سرگردان
 چه غم خورشید را اگر ذره را زیر ذره دارد

مینداز از منظر زاهد مرا کین مفلس مسکین
 گناه بیحد و طاعت بغایت مختصر دارد
 چه می دانی تو امی غافل که شاید عاشق بے دل
 مراد خوشتن حاصل به یک آه سحر دارد
 سوئے جنت همی خواند مرا و اعطای چه پندارد
 که عاشق میل جز معشوق خود بجائے و گردارد
 کجا از مقصد صدقش بخت سرفرو و آید
 کسی کا نذر مقرر عزیمان مستقر دارد
 معاینی سر وحدت را نیارد بر زبان دادن
 مگر سرش قلم گوید که در عالم دوسر دارد

صدف چون بهر یک قطره بروئے بجر می آید
 چرا لب تشنه چندین گه بقعر بجر می آید
 صدف غرقست در دریا و دریا خود از ان بهر
 چو یابد قطره دیگر دهان خویش بکشد
 صدف را تاب دریا نیست یا قطره از ان سازد
 چو سان اندر کشد بجر می کش قطره یابد
 صدف لب تشنه در دریا لبالب بجر می جوید
 بقطره میل از ان دارد که لب بجر می آید
 صدف از قطره باران عطش را می دهد تسکین
 چرا کین آب دریای حرارت را میغز آید
 چو قطره هر که بیرون شد ز دریائی وجود آخر
 بسوی بجر خواهد شد اگر سر بر فلک سایه
 بخار از بجر انگیزد شود بر وفرد ریزد !
 چو باد دریا در آ میزد اگر دریا شود شاید

بحق او کہ در کسوت جمالش بہ توان دیدن
 بشرط آنکہ زنگار از رخ آئینہ بزدا آید
 جمالِ دوست بے کسوت متعینی کے توان دیدن
 ہمان بہتر کہ در کسوت جمال خویش بنماید

گر پردہائی آب و گل از جان و دل کیو شود
 از کسوت هر ذره مهر دگر بیسرون شود
 هر کس که اندر سیرا حق بود قصه خبر او
 یابد وصال غیر او از زخم هجران خون شود
 هر طالبی کاخ از جان با عاشقان شد هم عنان
 آنجا بردگومی از میان بر ملک افریدن شود
 سیر براق عاشقان در هم نور دو آسمان
 بر هم زند کون و مکان تا حضرت بے چون شود
 امروز من بر بومئ اوسر گشته ام در کوئے او
 فردا که بینم رومی اودانی که عالم چون شود
 بومئ زخم و حدتش مار از ما بیگانه کرد
 یارب که ماند آتش روزیکه می افزون شود
 هر کس خور در ظل گران لابد شود سرش عیان
 اسرار و حدت آن زمان در سینه کی مکنون شود

من مست آن پیمانه ام و زیلویی اود یوانه ام
 لیلی اگر هم خانه ام گردد چو من مجنون شود
 اوسا قی دستش منم پیمانه در دستش منم
 در روی نگاهی می کنم تا کی خوش گلگون شود
 چون می خوش گلگون کند دل ناله را افزون کند
 ادر اچو خود مجنون کند تا حال دیگرگون شود
 معشوق ما عاشق شود عاشق بمعشوقی رسد
 او چون سوئی عاشق رود هنگام ناز اکنون شود
 مسکین معیننی تا کنون در شام غم مانده زیلون
 ای ماه گر آئی برون استا که اش میون شود

روزیکہ یار جام صفا پر زمی کند
 عاشق دران وفاز جفا یاد کی کند
 ساقی اگر ہزار شراب افگند بجام
 عاشق ہمیں مشاہدہ حسن دی کند
 حسنی کہ بہر صفت آرد تحسلی
 مگر خاک مرده ست کہ فی الحال می کند
 اسرار عشق در دمد اندر نی دلم
 خود نغمہا سراپد و نسبت بہ فی کند
 ہر بے خود یکہ مست خدامی کند روہت
 کان عربدہ نہ مست کند بلکہ می کند
 دروادی طلب چونہد پیک عقل پائے
 دست قضا بہ تیغ فنا پاش پی کند
 مگر صد ہزار نامہ نو لیسد معین بجہد
 مشکل اگر ز عشق تو یک حرف طی کند

هر کسی را در ازل رزقی مقدر کرده اند
 و ز برای هر یکی کاری مقرر کرده اند
 عشق را آئین نشی دادند با جان و دلم!
 پیش از آن کاب و گل آدم محمّد کرده اند
 عاشقان را زین پری رویان به نخبیر بلا
 این چنین دیوانه زلفت معنبر کرده اند
 ای بسا دلهادر رون سینه کاند برزم عشق
 ز آتش سوز فراقش عود محبوس کرده اند
 ای بسا مردان ره کاند طریق جستجو
 چون عجز از آن چادر اوبار بر سر کرده اند
 رَبِّ اَرِنِیْ نِیْ هِمین سر بر ز داز موسیٰ لبس
 کین زمان هم طالبان از غیب سر بر کرده اند
 اللّٰهُ اَعْلَمُ واعظ بجائے حتم دعوت کنی
 کین گدرا و عدل انعام دیگر کرده اند

جان که باشد تا کند عزم زمین بوی لیک
 ذره را بگرشته خورشید را نور کرده اند
 گرچه شاهان را به تخت تاج زینت می دهند
 جلوه مسکین معین بر تاج و منبر کرده اند

نفخه عشق که آن سوئی جهان می آید
 بمشامِ دلم از عالمِ حسان می آید
 تازه شولے دل پزمرده که چون آب حیات
 بحرِ جو دلیست که سوئی توروان می آید
 خیزلے عقل تو از چار سو و پنج حواس
 که نگار من از آن راهِ نهان می آید
 هم چو خورشیدِ تارومی که ذراتِ جهان
 از زمین تا به فلکِ چرخِ زنان می آید
 دل که بایا نشیند برت ای جان چه کند
 بسکه از صحبتِ اغیار بجان می آید
 این همه گل که به گلزارِ جمالت بشکفت
 بلبلِ دل چه عجب گریه فغان می آید
 آتش هست نهان در جگرِ سوختگان
 آه کان آتشِ پنهان بعیان می آید

ز آتشِ غم که بکافونِ دل افروخته اند
 یک زبانه ست که گاهی بزبان می آید
 گرچه هر موی زبانی شود از سرِ نهان
 بخدا اگر سر موی به بیان می آید
 رقمِ عشق کشیده است بطغرای وجود
 هر چه اندر عدم آباد جهان می آید
 هیچ کس نقطه صفت خارج ازین دائره نیست
 گرچه بیرون رود آخر بمیان می آید
 هر چه از کمنِ غیب آمده تا عالم خلق
 هم چنانست که فرستاده چنان می آید
 ز اعتبارات تفاوت نکند اصلِ مراد
 گریه کی کعبه و آن دیر مغان می آید
 این چه سازست که در پرده عشاق روند
 کز سماعش دل و جان رقص کنان می آید

حیف کین بے بصران تا به ابد بے خبر اند
 ز آنچه در دیده صاحب نظران می آید
 دم گرم نیگر و ز سر تحقیق بدان !
 کاشی هست که دو د از سر آن می آید
 آتش عشق تو در جان معین افتاد است
 ز روش بوئی دل سوختگان می آید !

چنان از روزن دل نور آن دلدار می تابد
 که خورشید جمالش از در دیوار می تابد
 ازان از ظلمت تن میرسد جانم که هر ساعت
 مرا از مطلع دل معشوقه انوار می تابد
 اگر از خواب غفلت سر بر آری آن زبان بینی
 که خورشید سنجی بر دل بیدار می تابد
 چه حسن دوست ظاهر شد دل از کونین فارغ شد
 چو جهان محو شود رخ از آثار می تابد
 مسلمان مرا عشقت اگر منکر نه بنگر
 چگونه نور قصد یقین ازین اقرار می تابد
 جمال یار می خواهی بذرات جهان بنگر
 که هر ذره ست مرآت کز و دیدار می تابد
 مگر تاب آورد سر پنجه شیر تجله را !
 ولی کز عشق دست عقل دعوی دار می تابد

بنا بر عشق صوفی خرقہ پشیم بسوزد بہ !
 کہ از ہر موئے او صدر شتہ زنار می تابد
 ز استغناش زخم لن ترانی می خورد موسیٰ
 پس انوار تخیل بر کہہ و کہسار می تابد
 ز حسن دل ربائے ہر صبی می باید ہمہ دارد
 ولیکن عاشقانِ خویش را بسیار می تابد
 کجا کہ ددیسر فی الحقیقت ہوشیاران را
 ہر آنچہ از سر مستی بہ دل خمار می تابد
 دلا اسرار مردان را مشومند کہ می ترسم !
 شوی محروم از ان سر کیہ بر اسرار می تابد
 مکن باز نہ پوشان سر بزرگی کابلِ انش را
 بزرگی از ورای جبۂ دوستار می تابد
 سخن بشنوم یعنی غم مخور از آتش و دوزخ
 کہ موسیٰ را جمال یار اندر تار می تابد

من چه گویم که مرا ناطقه بدوش آمد
 بر دلم ضابطه عقل فراموش آمد
 سیل رانعه از انست که از بحر جداست
 وانکه با بحر درآمیخته خاموش آمد
 نکتها دوش دلم گفت و شنید از لب یار
 نه که هرگز بزبان رفت نه در گوش آمد
 شاید غیب کشا دست نقاب از رخ خویش
 تو نه محرم از آن بهر تو رو پوش آمد
 زاهد از کوی مغان پائی کشیدی امشب
 بقدم رفت در آن کوچه و بر دوش آمد
 شب هجر تو که جان از بدنم کرد وداع
 روز وصل تو دیگر باره در آغوش آمد
 سخن تلخ که چون می بلبت می گذرد
 بر صر فیان همه زهرست و مرانوش آمد

چہ گہر ہاست کزین سینہ برون می ریزد
 بحر اسرار آہی ست کہ در جوش آمد
 ہر کراہوش و قرار ست میش دہ ساقی
 کہ معینی ز ازل بے خود و مدہوش آمد

عاشقان گر چه بصد پرده تهمان آمده اند
 با تو در مرتبه کشف و عیان آمده اند
 از و را می تنق غیب نمودی رخ خویش
 کین اسیران بجمالت نگران آمده اند
 مطرب عشق تو چون پرده عشاق نواخت
 عاشقان نعره زنان جامه دران آمده اند
 عاشقان مست جمالش نه که امروز شدند
 هم چنانش که فرستاد چنان آمده اند
 می پرستان پی آن جرعه که بر خاک نلگن
 مست در کوی خرابات ازان آمده اند
 عکس خورشید خوش تاخت چو بر عرصه خاک
 اندرین دیر فنا ز پی آن آمده اند!
 باز این روز نه کن فیکون ذکر صفت
 سوی خورشید خوش چرخ زنان آمده اند

ده چه جائی تنِ خالی که دران بزمِ وصال !
 عاشقان از دل و جان نیز بجان آمده اند

عشق از لامکان نزول کند
 در دل عاشقان نزول کند

رفت دردی بده که شاه جهان
 اندرین خاکدان نزول کند

جان شود جمله قالب خاکی
 جان جان چون بجان نزول کند

گنج را چون خرابه می باید!
 در دولت عشق ازان نزول کند

تو برون روز در که تماشه عشق
 اندرین خان ومان نزول کند

هیچکس را همان درین منزل
 تا کس بیکسان نزول کند

چون دل از غیر دوست خالی شد!
 لطف حق آن زمان نزول کند

بادشاہی ست در دل تنگم
کہ اگر در جهان نزول کند

ہر دو عالم شود چو گرد و غبار
جملہ در لامکان نزول کند

چست دل شاہبازِ عالم قدس
کی درین آشیان نزول کند

چون معین خاک آستانہ اوست
ہم در آن آستان نزول کند

راه باریک ست شب تار یک و منزل دُور دُور
 می دمد صبح قیامت خیز ازین خواب غرور
 هم چو عیسیٰ خرم ستور گان غرب
 چون خران تا چند باشی بپاگاه دستور
 بلبل جانت ز گلزار وصال آمد و لیک
 در نفس با خارِ هجران گشته قانع از ضرر
 جان و دل اندر لباس آب و گل گشته پدید
 حسن معشوق از جمالِ عاشقان کرده ظهور
 در حریمِ حرمش ما و منی را بار نیست
 ما و من غیرند و خلوت خاص سلطان بس غیور
 کی کشاید دست غیرت در بردی هر کسی
 تا نگیرد از خود و خلق جهان یکسر نفور !
 در وحدت تا ز قعر بحر عشق اید بکف
 اول از دریائی هستی بایست کردن عبور

عودِ دل و مجمرِ سینه بنارِ غم بسور
 بزمِ قدسی را معطر ساز از عطرِ بخور
 جویم عشق بکشاید نقاب از روی دوست
 عاشقان را میل کی ماند سوئے حور و قصور
 من ازان جامیکہ در روزِ ازل نوشیدہ ام
 ہم چنان سرمست خواہم بود تا روزِ نشور ؛
 جرءِ زین بادۂ جان بخش گریزی بجاک
 ہامی و ہومی عشق بر خیزد و زاموات قبور
 روزِ اول تو خود میدی جان بہ تن بے واسطہ
 روزِ آخر ہم تو خود دم جان من بی نفخِ صبور
 ظلمتِ کثرتِ یجنب نور و وحدتِ گشتِ محو
 سایۂ امکان برنت از پر تو التماس نور
 نعرۂ منصور بر می خیزد از ذراتِ من !
 این چہ بادہ ست این کمی انداز دم در شر و شور

خم و حدت صد هزاران رنگ، یک رنگ ساخت
 غیب حاضر گشت و حاضر گشت غائب در حضور
 گر دل مسکین معین از جادو و معذور دار
 چون تدارد تاب انوار تحلیله کوه طور

ای ترا بر طورِ دلِ هر دم تجلے دگر
 طالبِ دیدارِ را هر گوشه موسی دگر
 یک دوعرفی خوانده ام در پیش استادانل
 تا ابد بر دل رسد هر لحظه معنی دگر
 چند فرمائی بترک دنیا و میلِ بهشت
 کان بهشتِ خلد پیش ماست و نیلے فکر
 رُوحِ قدسی گردی دی بزا دی در جهان
 هر دور و زمریم ایام عیسے دگر !
 در ازل قاضی عشقم داد منشورِ لبثا
 لاجرم آمد متعین دگر در دعوی دگر

ده که بر پائی صنوبر می نهند شمشاد سر
 زلف یار من لکر بر پائی او بنهاد سر
 مے کشم جور ترا تا سر به پیچم در کفن
 حاش لند کان زمان هم پیچم اربیداد سر
 زاهد می کرد منع سجده در پیش بتان
 رومی یارم دید و از شرمش پیش افتاد سر
 بر سر بر شادمانی خفته شیرین را چه غم
 شام هجران بر پلاس غم نهد فرهاد سر
 کارگر افتاد تیرت دوش بر جان معین
 تا سحر نالید مسکین عاقبت بنهاد سر

ذرّہ از اثرِ ہر نشد فاش ہنوز
 تو چہ دیدی ز ہوا داری ما باش ہنوز
 آفتابِ بیت کہ خورشیدِ فلک سایہ اوست
 چون کند جلوہ در آئینہ خفاش ہنوز
 ایکہ در صورتِ نقشِ این ہمہ حیران شدہ
 باش تا جلوہ کند چہرہ نقاش ہنوز
 چون صدقِ غوطہ بدیازن دلِ تشنہ برائے
 وز عطش در طلبِ قطرہ ما باش ہنوز
 اوز ما بر طرف از ناز و دلم می گوید
 کہ نہانی نظری ہست سوئے ماں ہنوز
 از لکد کوبِ فراقِ تو شد م خاک چو گرد
 از سرِ کوی تو بادم نبرد کاش ہنوز
 با حریفِ غم تو ہر دو جہان باخت معین
 نقدِ جان می طلبد داز من قلاش ہنوز

یار در بر روی اصحاب طلب بکشد باز
 نهیت کُنْ مِنْ تَائِبٍ اندر جهان در دوا باز
 رخ نمود و دل ربود و باز اندر پرده شد
 داغ دیگر بر سر داغ کهن به نهاد باز
 رخت هستی مرا آتش هجران بسوخت
 خرم عمر مرا بر باد غم برداد باز !
 از یمن و از یسار قلب من در تاخت عشق
 عقل مغلوب مرا خرد غلاب افتاد باز
 گفتمش رخ باز کن گفتا بنخواهی سوختن
 گفتم از سوزم بسازم هر چه باد آ باد باز
 شهر معمور و لم کز سیل هجران شد خراب
 شاید از معمارئی وصلت شود آ باد باز
 باز جان من که شد محبوس دام آب و گل
 گر بنجد خوانی شود از قید تن آ باد باز

گفتش عکسِ جمالت چون مرا موجود کرد
تا با هم زنده زان قوتم ببايد داد باز
لمعه از پرتو نورِ تجلی از د علم!
طوره هستی مرا بر کند از بنیاد باز
گفت با هستی من لاف از وجودِ خود مزن
کی توان کردن دکان بالاتر استاد باز
در طریق جستجو از عاشقی نشین معین
در ره فقر از طلب کی می توان استاد باز

مرا ز هر دو جهان دولت وصال تو بس
 وصال چیست که آمد شد خیال تو بس
 بصد رسند شاهای وصول ممکن نیست
 گرامی راه نشین راصف نعال تو بس
 چو چنگ زخمه غم می خورم ز عشق و خوشم
 نواز شمع ز بهمین زخم گوشمال تو بس
 چو جام دل ز جمال تو گشت عکس پذیر
 بگاه جلوه دل آئینه جمال تو بس
 کمال دوست چو تکمیل ناقصات کند
 تو ناقصی و بهمین ناقصی کمال تو بس
 اگر چه دادا طعن نمی توان دادن
 ولی قبول سمعنا در امتثال تو بس
 معیینا ز چه دارا الجلال می طلب
 تو غاصی و ترا لطف ذوالجلال تو بس

مانعی گوئیم نعمت یا بلا خواهم و بس
 بلکه ما دائم رضائے دوست را خواهیم و بس
 مگر رضائی دوست ما را در بلا خواهد رسید
 ما همیشه خویشتن را بتلا خواهم و بس
 خلق از حق نعمت و فضل و عطا خواهند و ما
 از خدا صبر جمیل اندر بلا خواهم و بس
 زاهدان این جا عمل خواهند و در عقبی بهشت
 این بنی خواهم و آنهم با خدا خواهم و بس
 هر کسی از تو بقدر خود مرادی خواستند
 ما مراد خویشتن از تو ترا خواهم و بس
 هر کسی خواهد که ما را در جهان باقی و لیک
 ای معینی ما را اندر فنا خواهم و بس

دل ز سوزِ عشق و داغِ یارِ یابد پرورش
 چون ترِ خالص که اندر نارِ یابد پرورش
 آه درد آلود هر شب تا فلک خواهم رساند
 کز نیم صبح دم گلزارِ یابد پرورش
 دل ز نخلِ قاتش در زیر بار آمد و لیک
 میوه آن بهتر که اندر بارِ یابد پرورش
 اصبعینِ عشق اندر دل تصرف می کند
 خوش دلی کا ندر کفِ دلدارِ یابد پرورش
 سرِ نپیان کی تواند کرد پیدایشِ خلق
 آنکه اندر پردهٔ اسرارِ یابد پرورش
 و آن که در دارِ وجودش غیر حق و یار نیست
 هم چون منصور آن زمان بردارِ یابد پرورش
 وحدت اندر صورت کثرت نماید جلوه
 نقطه اندر کسوتِ پرکارِ یابد پرورش

دگرستانِ حقیقت چون گل نو با ده !
 گل میانِ صد هزاران خاریا بد پرورش
 ای معین از سر زنده‌های حسودان غم محوز
 چون دلِ عشاق از آریا بد پرورش

اگر بی پرده نتوانی که بینی پرتو ذاتش !
 بذرات جهان بیگر که هر ذره ست مرآتش
 جمال حق ز مرآت صفاتش می کند جلوه
 صفت در کسوت افعال فعل از عین آیاتش
 چو جسمت منظر جانست و جانب منظر اعیان
 چو اعیان منظر اسما و اسما منظر ذاتش
 تجلی طور را اگر چه ز هبیت ساخت صد پاره
 ولیکن تا ابد تا بد جمال حق ز ذراتش
 من از کنج خراباتی جمالی دیده ام واللہ
 کہ چندین سال می جسمتم بحراب مناجاتش
 مرا از یک دو جام می چنان حالی بدست آمد
 کہ صد سالک نخواهد یافت در طی مقاماتش
 معاین را عشق برد از ره دریغ از فهم دانائی
 وزان تحصیل بے حاصل کہ ضائع کرد اوقاتش

بنہ سر بر خط فرمان و خطی در جهان درکش
 بشو لوح من و ما را قلم در این و آن درکش
 بر دپائی هوا پی کن هوائی صحبت دے کن
 بساط نہ فلک طی کن قدم در لامکان درکش
 تو شہبازان یا ہوا را محوان در باغ خود حورا
 برو مرغ ہوا جو را بدام امتحان درکش
 مرا برداؤ بہ میخانہ کہ امی سرمست دیوانہ
 بگیر این رطل و پیمانہ بیاد من روان درکش
 چہ باعث شد سلیمان را کہ گوید مور بے جان را
 بدریار و نہنگان را بے یک دم در دہان درکش
 چو داوی جام منصورم فلندی در شر و شورم !
 چہ میدانی کہ معذورم چہ می گوئی زبان درکش
 منم گوئی تو چو گانی منم مرکب تو سلطانے
 مرا ہر سو تو میرانی می گوئی زبان درکش

بگر دت مست و دیوانه بر فتم هم چو پروانه
 مرا می شمع فرزانه بگیسرا اندر میان درکش
 اگر خواهی تو بنمائی به عالم حسن و زیبائی
 مرا مجنون و شیدائی بیازار جهان درکش
 دران روز بگو به نمانی جمال خود به مشتاقان
 معاین را سوز چون سرمه به چشم عاشقان درکش

تا دل نکشت غزف در یائی من عرف
 تاورد چون صدف گهر معرفت بکف
 هر کس نهد به خاک و رش رخ چو آفتاب
 بر تارک سپهر نهد پایۀ مشرف
 ریحان و گل بهروضه جانست قوت دل
 در شوره زار تن نه کند میل هر غلف
 موسی روح را چه غم از اژدهای نفس
 چون از جناب قدس رسد وحی لا تخف
 انسان نه این سلاله آب گلست و بس
 در سلک در کس نشد مهر خذف
 از صد هزار قطره باران یکے گمرا
 گوهر شود به تربیت اندر دل صدف
 سمرایه حیات متاعیست بے بها
 میمندگان بهرزه شود را لگان تلف

صیتِ سُجَّیْهِمُ وِجْیُوْنُهُ زِ حَیْتِ
 مگر نیست ابتدائی محبت از آن طرف
 در انتظارِ مقدمت از نورِ کبریا
 پرکنگرِ جلالِ کشیده هزار صفت
 مگر صد هزار تحفه رسد از تو هر دم!
 مقصود ما توئی و طفیلست آن تحف
 هر دم معاین کشاده ز دل صد غنک آه
 لیکن چه چاره گزیند بر تیر بر هدف

حمدی که بر صحائف اطباق نه فلک
 توفیق بر کشیده که الکبریا ملک
 حمدی که خود رقم زد بر صفحه قدم
 کان را به هیچ حادثه ممکن نگشته بک
 حمدی که در تصدی او فائز من هدے
 حمدی که در تخلف او غاب من هلاک
 حمدی که جوهریش زنده سکه قبول
 روزی که ز امتحانش دهد جلوه بر محک
 ذاتِ خدائی هر دو جهان را سزود که هست
 بر طبق مدعاش مستقبل هزاره صفاک
 ذرات کائنات زبان بر کشاده اند
 اند را دایم نکتہ توحید یک بیک
 بر ذات پر کمال تو داور دالالت
 آیات کن فکان ز سماع گیر تا سمک

با تست و بس معامله نیک و بد از ان که
 و هابِ بی رجوعی و بی تا عیالِ درک
 عکسِ جمالِ تست در آئینه حواس
 یک رنگ گشته در منظرِ حسنِ مشترک
 روزِ ازل بگردنِ آدم فلکِ عشق
 قیدِ محبتی که مر آن را مباد فلک
 لاف از کمالِ سخنِ تسبیحِ کجای زده
 یک نکته گرزِ عشق شدی کشفِ بر ملک
 گر نغمه ز عشق شنیدی سماعِ چرخ
 در رقصِ خویش خرقه در انداختی فلک
 مفتیِ شرع منکرِ عشق ست از و بپرس
 زان سگ که گشت مومنک سار شد نمک
 گو سگ نمانده است و بکلی نمک شده است
 هر کس که نیست با درش این نکته بمک

از ساکنانِ مدرسه تا پیرِ خانقاه
 گر درکِ این سخن نکند رفت تا درک
 جائیکه نورِ مطلع حقِ یقین به یافت
 ز آئینه دلش که زداید غبارِ شک
 هر چند ناکسم سگِ اصحابِ دولتتم
 گنجم مگر بفضلِ تو در سلکِ مَنْ سَلَک
 یاربِ معینِ جوی ز غل غمیش و لیک
 دارد ز فضلِ تو طمع صد هزار لک

من دُری بودم نهان در قعر بحر لم یزل !
 عشق غواصانه ام آورد و بیرون زان محل
 من دُر در یلئے عشقم چند مانم در صدف
 من چو مرآتِ خدایم چند باشم در بغل
 از صدف آیم . بر دین بر تاج عزت جا کنم
 نور گیرند از فروغ ماه و خورشید و زحل
 من غلام روی یارم گر چه ماهم در جهان
 من گدائے کوئے عشقم گر چه شاهم فی المثل
 گر کند دستِ اجل قهر و جودم خشت خشت
 اصلِ بنیادِ محبت هیچ نه پذیرد خلل
 دل ز من بر دی و گفتی در بدلِ مصلحت هم
 چون مبیع خود پسندیدی چرا ندی بدل
 من چو از اهلِ دلم فانی نه خواهم شد زمرگ
 چون نوید و وصل می آرد چه ترسم از اجل

طالبان در خور و خود هر یک مرادی خواستند
 عاشقان دیدار یار و زاهدان حسن عمل
 سرعشق از عرش و فرش و لوح و کرسی حل شد
 ای معینی کی توان کردن بیان در یک غزل

مرا ز دیدہ و دل ہر زمان درود دادم
 تثار روضہ پر نور صدر و بدر دعوالم
 چہ منظر است کہ مبعوث شد براول و آخر
 بظاہر است موخر باطن است مقدم
 بصورت از بشر آمد ولی ز روئے حقیقت
 ز فرق تا بہ قدم رحمت خداست مجسم
 بہ عالم دل و جان بود شاہ تختِ رسالت
 میان مکہ و طائف ہنوز قالبِ آدم
 بروز حشر بہ ظلِ لوامی اوشدہ واثق !
 بسان امت او جملہ انبیائے مکرم
 نہادہ باقی عزت شبِ دنی افتد تے
 فرود پایہ جاہش و شاقِ عیسے مریم
 چو از دلی زدہ بیرون قدم ز بمبھدادنے
 بیک دو گام گذشتہ از اوجِ طارمِ اعظم

اگر نه شورِ سرورِ ظهورِ نورِ تو باشد
 فروغِ عیش که بسید درین سرچشماتم
 طفیلِ ذاتِ تو هرزده هزار عالم ازان شد
 که پیشِ بحر ندارد وجود قطره شبِ بنم
 ز ابرِ جود چو شرفِ فیضِ رحمت متقاطر!
 فضائِ روضه جان شد زمینِ فیضِ تو خرم
 هزار غم ز گناه هست بر دلِ من و هر دم
 فروزه ام غم دیگر هزار بار بران غم
 به عذر خواهی ما بر کشائی لب به شفاعت
 که دل پرست ز درد لب تو حقه مریم
 معاین چه تحفه فرستد بغیر اشک ز دیده
 کند دردِ دپیایِ روان بسوی تو هر دم

اندر آئینہ جانِ عکسِ جمالے دیدم
 ہموں خورشید کہ در آبِ زلالے دیدم
 خیرہ شد ریدہ عقل از لمعاتِ رخِ دوست
 با وجود از پسِ صہرِ پردہ خیالے دیدم
 این چنین نور کہ در آئینہ جان بہ نمود
 عینِ ذاتست ولیکن بمثالے دیدم
 من اگر والہ و مدہوش شوم معذورم
 کہ در آئینہ عجب حسن و جمالے دیدم
 عاشق و مست من از روزالست آمدہ الم
 عقل و ہشیاری خود امر محالے دیدم
 ہستم رفت و کنون ہستی مطلق باقیست
 این ہمہ ہجر با امید وصالے دیدم
 بزم وحدت کہ مرا تنگ تر از تنگ نمود
 چون ز تنگی بگذشتم چہ محالے دیدم

در بیا بان ہوا یت ہمہ ملک و ملکوت
 کمتر از پشنگے بے پروا لے دیدم
 تا معاین فرہ صفت فت پی نورازل
 نہ طلوع و نہ غروب و نہ زوالے دیدم

سوئے من آ کہ ترا بار و وفادار منم
 ہر چہ داری بمن آور کہ خریدار منم
 مگر تو شاہی و دولت عزم تماشا دارد
 بر من آی کہ باغ و گل گلزار منم
 و گر از رنج معاصی دل تو گشتہ ملول
 سوئے من آ کہ طبیب دل بیمار منم
 نہ ہمین صاحب سجادہ خلوت گاہم
 ساتی میکدہ و مطرب تجمار منم
 اے کہ در صومعہ در طلبم می پائے !
 گو بدون آئی کہ اندر سربازار منم
 ہوس خرقہ صد پارہ و تاج دیباچ
 بنہ از سر کہ ترا جبہ و دستار منم
 بے دلی گم کن و از بیکی خوش منال
 کہ ترا در ہمہ جا دلبر و دلدار منم

تو بهر مهر که از رازِ دلِ خویش مگوی!
 که بخلوتِ نگه جانِ محرمِ اسرارِ منم
 تا یکی نقطه صفتِ دائره می بنمائی
 تو چو مرکز به نشین کردی تو پرکارِ منم
 گوهرِ معدنِ صورتِ خریفِ هستی ست
 در تگِ بحرِ معانی درِ شهوارِ منم
 همی ز شخصِ معینِ سوختِ چنان آتش عشق
 که شدمِ اخگر و گفتم که مگر نارِ منم

بکشانے پر وہ از رخ بردار، یتیم
 حسنی بہ من نامی و بیفزای یتیم
 محروم گشتم از طیران در فضاے قدس
 تا بال جان بہ رشتہ و قالب ببستم
 شہباز آشیانہ قدسم کہ عروج
 گر قید تن فرو کشد سوئے یتیم
 و اعزاز کوئے دوست ہوئے ختم محوان
 بنگر کہ از کجا بہ کجا می سرستم
 من مست دمی پرست نہ امروز گشته ام
 سرمست دے خود از می ہزم یتیم
 من در جمال بت رخ بت گردیدہ ام
 توجید مطلق ست کنون بت پرستم
 در بحر آشنائی او غرق گشتم ام
 اے خضر تا سفینہ ہستی شکستم

دل ذره ذره گشت ز نور تجلیت
 لیکن ز هر شکست بود صد در ستیم
 نور ظهور ساقی باقی کند طلوع
 چون جام دل زدوده شد از زنگ هستیم
 به گذارتاروم ز جهان آستین فشان
 کز آب دیده دست ز عالم بشیتم
 برخاست اشغل شاد می و عیش از دل معین
 تا در درون سینه محزون نشیتم

من یار ترا دارم و اغیار نمی خواهم
 غیر از تو که دل بردی و دلدار نمی خواهم
 خاری که ز درد تو خستست مراد دل
 من خسته آن خارم گلزار نمی خواهم
 گر جلوه دهی بر دل نقدِ دو جهان گویم
 من عاشق دیدارم دینار نمی خواهم
 سر یکی مرا با تست باغیر تو چون گویم
 تو دانی و من دانم اهل ساز نمی خواهم
 اندر حرم جانم کس را نبود منزل
 غیر از تو درین خلوت دینار نمی خواهم
 خون می خورم از دستت آزار نه پندارم
 کان خاطر نازک را آزار نمی خواهم
 من باده نمی نوشم اما چو توئی ساقی
 اندر تن خود یک رگ هشیار نمی خواهم

عاشق کہ ترا خواہد باغیر نیار آمد
 جنات نمی خواہم و اینہار نمی خواہم
 دنیا طلبید غافل عقبی طلبید عاقل
 من عاشقم و بے دل جزایار نمی خواہم
 از ہستی خود بگذر بگذار معین ہر
 جائی کہ نہ گنجد سر و ستار نمی خواہم

اے نورِ عشقت تافہ اندر سویدائی دلم
 بگرفتہ نورِ عشق تو پہنان و پیدائے دلم
 بنمود نور و دلہن چون آتش از نخلِ بدن
 اسرارِ خود گفت او بمن بر طورِ سینائے دلم
 در تافت نورِ طلعتش از آسمانِ عزتِش
 بگرفت نور و حدتش مجموعِ اجزائے دلم
 مسکین دلم بدخوئی شد جیائی آن مہِ دوی شد
 زبِ ابرنی گوی شد بے چارہ موسائی دلم
 موسیٰ در آن روز نبرد از لن ترانی زخم خورد
 دل ہیج اندیشہ نکودائی وائے صدائے دلم
 ہر کس بخود آمد بد آن زخمش آمد بر جگر
 دل چون ز خود آمد بد را و گشت جویائے دلم
 دل در پیِ روئے نکومی رفت ہر دم کو بکو
 نہاد قید زلفِ او زنجیرِ برپائے دلم

نور تجلی صبح دم از مطلع دل زد علم !
 نورش فردن شد رم بدم بگرفت صحرائے دلم
 من سوئے او بشنا فتم دین پر دیا بشکا فتم !
 الحمد لشد یا فتم مقصود و ما واسطے دلم
 گفتم چو یا بم زو خیم آرام گیر دل بر
 چون دید مشن شد بیشتر فریاد و غوغائے دلم
 در مجلس مسکین معین یکدم نشین صد زور بحین
 بنگر چه دُرہائے ثمن وادست دریائے دلم

صفات و ذات چو از ہم جدا نہ می بینم
 بہر چہ می نگرم جسز خدا نمی بینم
 گو کہ دیدہ حادث قدیم کی بینند
 ہمین بس ست کہ من خویش را نہ می بینم
 ترا چو آئینہ تیرہ ست چشم نابینا
 محور فسوس کہ من ہم چہ را نمی بینم
 زمن پیرس کہ آن آہ ماہ را کجا دیدی
 چون ز جاسئی بر نعمت بجانہ می بینم
 بہر بلا کہ تو خواہی بیازماے مرا
 کہ در مشاہدہ تو بلا نمی بینم
 زمن بہر چہ کنی یا در اضمیم حشا
 کہ ہر چہ از تو رسد تو جز عطا نہ می بینم
 بہر طرف کہ مرا می بگرداند اللہ
 کہ خویش را از تو یک دم جدا نہ می بینم

عروج جان معینے برادج اوداد نے
 بحر متابعت مصطفیٰ بیستم

تا من باد پیوسته ام از غیر او بریده ام
 من حل عقد عقل را در یک گره پیچیده ام
 ترسم نه از دوزخ بود بیم نه از برزخ بود
 امید و بیم زو بود از غیر ننداشیده ام!
 با مالک دوزخ بگو که من مراد خود محوی
 هر لحظه من از عشق او در دوزخ سوزیده ام
 اے حور و رضوانِ جنان در پرده پنهان شوی
 کامروز از عین عیان من حسن دیگر دیده ام
 از خور خواهم نه ملک نه عرش جویم نه فلک
 اینها نخواهم یک بیک عشق دگر ورزیده ام
 شهباز عشقم در زمین نه مرگی ام دانه چین
 از بهر صیدی این چنین از دست شه پریده ام
 یا بلبلِ ام گل طاب اندر گلستانِ عرب
 هر دم بدستانِ عجب از بهر گل تالیده ام

تا دلبر کلگون من وان لیله موزون من
 گفتا که اے مجنون من من گوشه بگذریده ام
 تا بم نمی آردیقین نه آسمان رونه زمین
 بارفتت قدر چین اندر دلت گنجیده ام
 که مرکزی ام در میان که نقطه ام بی نشان
 گاهی چو پرکار روان در گردلو گم دیده ام
 دادا و مرا پیمانہ ہا کردم ہشی خمنا نہ ہا!
 وز ترس این بیگانہا خالی بلب لاییدہ ام
 نے ہرزہ می گوید معین بر خیز و نزدیک نشین
 بوکن دہان من بہین تا از چہ می نوشیدہ ام

مایه فکرش از بهشت و حور و غلمان فارغیم
 از نعیم هر دو عالم بهر جانان فارغیم
 قوت از خوان آبیت عند ربی مخورده ایم
 آن غذا نوشیده ایم از آب و از نان فارغیم
 طفل جان را دایه لطف ازل می پرورد
 لاجرم از همد و شهید و شیرستان فارغیم
 هم چو لاله داغها بر دل نهادم تا مکنون
 هم چو گل در باغ وصل از داغ بجران فارغیم
 ما کزان لبها حیات جاودانی یافتیم
 از طلب کاری خضر و آب حیوان فارغیم
 و اعطاء عشاق را خوش نیست ترغیب بهشت
 ما بدیدارش نباغ خلد و رضوان فارغیم
 طاهر عشقیم کز قید طبایع جسته ایم
 دام تن بگنجینه وزدانه جان فارغیم

ماچو بیرون رفته ایم از تنگنای کن فکان
 در فضائے لامکان از ضیق امکان فارغیم
 عارفان را چون نظر بر عین معرفت پس
 از وسائط در ظهور نور عرفان فارغیم
 ماکه از عین الیقین حق الیقین را دیده ایم
 از دلیل ظنی و تشکیک برهان فارغیم
 چونکه در غیب هویت اعتبار غیر نیست
 از ظهور اسم در مراتب اعیان فارغیم
 هر چه دیدم با حجاب اوست یا بنوعین است
 لاجرم از عشق و عقل و کفر و ایمان فارغیم
 مابہ بشتی گرم بار از امانت می کشم
 و ز ظلومی و جہولیہائے انسان فارغیم
 چون کہ سلطان جہان در حکم و در فرمان است
 از گزند حاجب و تهدید دربان فارغیم

حاجی اندر میان عاشق و معشوق نیست
 ما بجانان و اهلیم و از رقیسبان فارغیم
 در ملامت رد معین خلق آن چه خواهد گو
 ما کنون از مدح و قدح جمله غلقان فارغیم

من ننگِ بحرِ عشقم تا یکی دم در کشم
 کشتی تن بشکنم نقدِ دو عالم در کشم
 ساقیا از ساغرِ جان بادهٔ وصلت چشان
 تا یکی از خونِ دل جامِ دما دم در کشم
 خون شد چشمم بر اہش لے صبا گردی بیار
 تا بجائے سرمہ اندر چشمم پر خم در کشم
 روحِ قدسی سجدہ آورد پیش آن حسنِ جمال
 گر نقابِ آب و خاک از روئے آدم در کشم
 در درونِ قصرِ تن بر تختِ دل سازم مقام
 طیلسانِ استوارِ عرشِ اعظم در کشم
 مگر کشم دستِ طبع از آستینِ ہر دو کون
 پائے در دامنِ براوجِ ہفت طارم در کشم
 گرفتگامِ دلِ ہستی را بہ مقرضِ فنا
 رشتہ کی در سوزنِ عیسیٰ مریم در کشم

پامی کو بان میروم سوئے فلک تازان نشاط
 جامہ ارزق زدوش اہل ماتم درکشم
 پرسیم تا عقل را بر عشق دعویٰ می رسد
 من برین توقع فی والشدا علم درکشم
 ساقیا اہل طرب را جام شادی وہ کہ من
 در میان دُردنوشان دردمی غم درکشم
 دم بہ دم تائی عشقش در معینی میدمد
 فاش خواہم کرد تا رازش تا بہ کہ دم درکشم

تزامی خواہم لے دلبر کہ بینم
 توئی مقصودِ من در ہر کہ بینم
 مرا چشم از برائے دیدن تست
 تو رخ انما یم پس در کہ بینم
 جمالِ ساقی من می نساید
 بمرآتِ می و ساغر کہ بینم
 چنانک دیدہ ام از دیدہ و دل
 کہ نشاسم بہ چشمِ سر کہ بینم
 ہزاران در ز دل سویت کشا دست
 تزامی بینم از ہر در کہ بینم
 رخت گھر بینم ورنہ بمیسم
 چو خواہم مرد آن بہتر کہ بینم
 معاینِ امروز می خواہد وصالش
 ندارد صبر تا محشر کہ بینم

این منم یارب که اندر نور حق قانی شدم
 مطلعِ انوارِ فیضِ ذاتِ سبحانی شدم
 ذره ذره از وجودم طالبِ دیدار گشت
 تا که من مست از تجلیه کس زبانی شدم
 زنگِ غیرتِ رازِ مرآتِ دلم بزود عشق
 تا بکلی واقفِ اسرارِ پنهانی شدم
 من چنان بیرون شدم از ظلمتِ هستی خویش
 تا ز نورِ هستی او آن که میدانی شدم
 گر زود و نفسِ ظلمتِ پاک بودم سوخته
 ز امتزاجِ آتشِ عشقِ تو نورانی شدم
 خلق می گفتند کین ره را به شواری روند
 ای عفاک الله که من باری بآسانی شدم
 و مبدم روح القدس اندر معینی میدد
 من نمیدانم مگر من عیسی ثانی شدم

چو من ز بادۀ عشق تو مست و بے خبرم
 همه جمال تو بینم بهر چپہ درنگرم
 تو هر حجاب که خواهی فروگذار که من
 به نعره که زخم صد حجاب را بدرم
 چو در میان نماز حجاب مانع پیوست
 که پیر بر آرم و از هفت چرخ درگذرم
 چه جای هفت فلک که فراز طارم عرش
 هزار منزل دیگر به یک قدم سپرم
 چو از نیست برم هفت چرخ و هشت بهشت
 منراست گرد جهان را به نیم خونخرم
 درخت علم را بر امید دیدن تست
 اگر بغیر تو بسنم ز عمر بهر بخورم!
 معاین نظر ز خدا باقی ست ای والد
 که عرش و فرش ندارند تاب یک نظم

تو خاصہ زما بکس کہ مانیز ترا ایم
 در ہر دو جهان مقصد و مقصود تو ما ایم
 گر یک قدم از کوی طلب سوئی من آئی
 من صد قدم از راہ کرم پیش تو ایم
 ما گنج نہانیم و تو مفتاح فتوحی
 ہم از تو برائے تو در گنج کشایم
 ما بر صفت خویش ترا جلوہ نمودیم
 تا از آئینہ ذات تو خود را بنمایم
 تو آئینہ صافی و مانیز چو خورشید
 در آئینہ تابیم و حرارت بہ فزایم
 چون زنگ گل از آئینہ دل برو وند
 جان نعرہ بر آرد کہ ما نور خدا ایم
 جز نورِ جمالی تو در آئینہ چہ تابد
 آن دم کہ غبار از رخ آئینہ زدایم

تو بجز قدم بودی و ما شبنم مکان
 ما با تو چنانیم که گوئی همه ماییم
 در عالم تو حید نه یاریم و نه اغیار
 آن لحظه که از پرده هستی بدرائیم
 از شش جهت کون گذشتست معینی
 از جا چه بردنیم چه گوئی که کجاییم

من بلبلی عشقم کنون سوئے گلستان می روم
 بوئی از آن گل یا فتم اندر پئے آن می روم
 چون آب جو گشتم روان پائے و سرور باغ جلان
 جامی به من دادست از آن سرست غلطان می روم
 من عند لیب بخودم کز عشق گل نالان شدم
 فی فی کہ من آن ہدم سوئے سلیمان می روم
 یا صدفے ام صفت شکن بیہودہ در زندان تن
 افتادہ بند از پائی من اکنون بہ میدان می روم
 صد بند را بگسیختم و ز دشمنان بگریختم
 بالشکرش آمیختم تا پیش سلطان می روم
 در راہ دیدم دلبری عاشق کشتی غارت گری
 در سر کشیدہ چادری یعنی کہ پنهان می روم
 گفتم کہ اندر نیم شب صحیحی دمیدہ بوا الحب
 گفتا کہ ہر شب بے طلب بیمار پرسان می روم

عشاقِ رامی می دهم پس جانبِ خود می کشم
 گر پیشِ من نایند هم من پیشِ ایشان می روم
 باشد ز قیدِ جسم و جان مطلق معیننی بر کران
 دیگر سبک بارم ازان در راه آسان می روم

پر می افتد از رخسار او بکشتائی چشم
 می نماید لمعۂ انوار او بکشتائی چشم
 شاید از دیده نه بکشتائی سوسه و قصور
 لیکن اندر دیدن دیدار او بکشتائی چشم
 جان قدسی کرده ز رخ دیدنش دلال عشق
 گر تو جان داری درین بازار او بکشتائی چشم
 دیده است حسن موثر بی وساطت گریه
 باری در آئینه آثار او بکشتائی چشم
 بیج کس بے خار غم یک گل درین بتان ندید
 گر گلت باید به زخم خار او بکشتائی چشم
 بندگان در خواب سلطان پاسبانی می کنند
 در سپاس دیدن دیدار او بکشتائی چشم
 دوست را صد پرده است و هر کی را دید دست
 پس بر رخ هر کی زاستار او بکشتائی چشم

آن نه منصورست کاندردارانا حق می زند
 نیست غیر حق کسی در دایره او بکشائی چشم
 دیده بر بست ست زاهد تا بغر دار و ز بار
 فی که امروز ست روز بار او بکشائی چشم
 کار و بار خود معین در سر و کار تو کرد
 بر امید یک نظر در کار او بکشائی چشم

ما بہرِ وصال از دل و جان نیز گذشتیم
 در وصل نخواہی تو از ان نیز گذشتیم
 در بحرِ قنارِ قریٰ رضائے تو چنانسیم
 کز جوئے مراد دو جهان نیز گذشتیم
 عمری زپئے نام و نشان تو دیدیم
 مادر طلب از نام و نشان نیز گذشتیم
 در پائنگہ نفس بہیمی چہ کند دل !
 کز مرتبہٴ روح روان نیز گذشتیم
 یک جام بباد کہ تن دل شد و دل جان
 یک جام دگر داذر جان نیز گذشتیم
 ناگاہ رسیدیم بہر چیز کہ جستیم !
 از پائے نشستم و از ان نیز گذشتیم
 دیدیم عیان چہرہٴ منصور بودیم
 کز ضابطہٴ شرح و بیان نیز گذشتیم

از تفرقه عاشق و معشوق ره پیدیم
 فی الجمله نه آئیم و زان نیز گذشتیم
 و بمنزل مقصود که خلوت گه قدس است
 از حادثه کون و مکان نیز گذشتیم
 از عین عیان دید متعین حسن تو امروز
 کز وعده فردا بخبان نیز گذشتیم

چشم غیرست درین پرده چنانش بینم
 بهتر آنست که از دیده جاننش بینم
 ادچو از دیده بے دید گیم می بینند
 چاره آنست که من نیز چنانش بینم
 بی نشان نیست نشان طلب اندر ره عشق
 بی نشان تا شده حاشا که نشانش بینم
 رفت آن وقت که بروی نگران می بودم
 وقت آنست که بر خود نگرانش بینم
 پرده گو بر فلک امروز ز رخ ور نه مرا
 صبر آن نیست که فردا بجاننش بینم
 خواه هم اول که ز سر تا بقدم جان کردم
 تا چو جان در همه پیدا و نهاننش بینم
 حسنش از پرده هستی متعین می تا بد
 باشد این پرده بر اقد که عیاننش بینم

براه عشق چو پائی حدوث پی کردم
 بیک قدم که زدم هر دو کون طی کردم
 ازین سراپه فانی قدم زدم بیرون
 چو عزم بار گنج کسریائی دی کردم
 بسوخت از نفسم پرداهای هفت فلک
 کنون که غسل طریقت بآب می کردم
 ز دست بخت خروا نچه خورده بود و دم
 بجزء زخمی عشق جسد فی کردم
 دمیدنائی عشق تو رازها بدلم !
 من از سلیم دلی نسبتش به فی کردم
 دمید روح قدس در معین مسیح صفت
 بسین که مرده دلان را چگونه حی کردم

چو من از هستی خود دور باشم
 بخود هم ناظر و منظور باشم
 جو جام و باد و ساقی همیاست
 روا باشد که من مخمور باشم
 ز جام و حد تم یک جرعه بخش
 که در دارِ فنا منصور باشم
 ازان جا میکه چون سترِ انا الحق
 بر آید بر زبان معذور باشم
 ز تابِ عکسِ خورشیدِ حقیقت
 چو ذره منظر آن نور باشم
 ندارد تابِ نورش خفاش
 همان بهتر که من مستور باشم
 ز شهر عشق می آید معینے !
 عجب نه بود اگر مشهور باشم

جام دیدار خدا کرد چنان مخورم !
 که خمارش ننشیند به بهشت و حورم !
 مست اگر نعره زند نعره زمی دان از د
 مست حقم نه کم از مست می انگورم
 آه سوزان ز دل آن دم که فرستم به فلک
 گر بسوزد پروبال ملک معذورم
 روز و شب با من و من طلبش سگر دان
 مشکلی این است که هم وصل و هم مجورم
 او بصد مرتبه نزدیک ترست از گ جان
 من بصد مرحله افسوس که از می دورم
 روح قدسم به قیود بشری گشته اسیر
 هم چون خورشید که در مشت گلی مستورم
 از چه در سایه تن ذل صفت گم نامم
 من که خورشیدم و در عالم جان شهورم

پرده از پیش براندازم و گویم که کییم !
 لیک ترسم که بسوزد و جهان از نورم
 مسند سلطنتم بر سر افلاک زدند
 تا که سلطان ازل ز در قم منشورم !
 موسی دل که بطور یدغم گفت آر نی
 یعنی از جام بقا باده بده مخورم
 جرعه داد از ان باده وحدت که مرا
 نه کنون موسی دل ماند بجان طورم
 منکه در دیر فحلاف اناحق زده ام
 عشق در دوار فنا داده می منصورم
 حرفی از سطر تجلیش اگر بر خوانم
 دانی آن لحظه که بر لوح قدم مسطورم
 من چو در آئینه دل نظری افکنم
 گشت معلوم که هم ناظر و هم منظورم

بار غم گرچه به مقدار شکیب است معین
کیک پیداست که تا چند بود مقدورم به

قطعه

که چو احمد در شب معراج وصل
 از حرم تا صوب اقصی می روم
 از زمین تا سدره و زسدره به عرش
 بر براق برق آسانی روم
 از فلک به گذشت و زانفس و ملک
 از دنی سوئی تدلی می روم
 قاب و قوسین ست و اودانی حجاب
 بی حجب تا حق تعالی می روم
 من نمی دانم درین بحر عمیق
 شسته ام استاد ام یامی روم

حمدی کہ پُر گہر بود از وی دکانِ جان
 تکریمیکہ پُر شکر بود از وی دہانِ حسان
 حمدی کہ جانِ بیان کندش از ازلے دل
 شکری کہ دل ادا کندش از بیانِ جان
 حمدی کہ در قلائدِ انعام در کشد
 لولوز بحرِ خاطر گوہر زکانِ جان
 حمدی کہ در عزیمت گلشن سرائے قدس
 بر بامِ عرش برود و از نزد بانِ جان
 حمدی کہ چون ہما فلکند سایہ شرف
 بر اوج بارگاہِ قدم ز آشیانِ جان
 بادا انتشار بارگاہِ واجب الوجود
 بتایدش مگر دل من از زبانِ جان
 مانند آفتابِ جان تاب روشن ست
 آثارِ پادشاہی او در جہانِ جان

جان و جهانم اوست ولی چون بگویمش
 اندر جهان نیابم و یا بم میان جان
 عالم نشان آدم و آدم نشان اوست
 هم چون بدن نشان دل و دل نشان جان
 تن زنده چون بجان شد و جان زنده شد بدست
 تن جان خود شناسد و جان نیز جان جان
 در شوره زار تن بد صد گل مراد
 چون فیض حق نزول کند ز آسمان جان
 گروصل دوست می طلبی جان بده معین
 زیرا که سود عاشقی آمد ز این جان

اے ذاتِ تو بر بساطِ کونین
 سترِ دو جهان و دَرِ بحرین
 چشمِ دو جهان بہ تستِ روشن
 در دیدہٗ جانِ توقیرِ بعین
 آلودہ نشد بسیرِ عرفان !
 دامانِ تو از غبارِ کونین
 کی نفتِ امانتم سپردی
 گر تو نشدی ضمانِ آن دین
 از شبینِ شفاعتِ تو آن رست
 در روزِ قیامت از جانِ شبین
 عقل از سفرِ براقِ عشقت
 تا چند کند سوالِ اے آین
 در دائرہٗ معاد و مبداء
 موہومِ خطی قتادہ فی البین !

ز آمد شدن د نئے تدلی !
 آن دائره گشته قلاب تو سین
 آن خط تو همی بر انداخت
 تا عکس جدا نباشد از عین
 سرش ز غبار غیر وارست
 مانده آفتاب از عین
 از تابش باده معیت
 روشن شده جام ثانی اشین
 از صیقل معرفت زدوده
 ز آینه دل کدورت رین
 بی نقطه و حدتش معین
 رین دل طالبان نشد زین

گر بچشم عاشقان بینی جمال خویشان
هم چون آشفته گردی در خیال خویشان

چون هلا عشق موران را بر در قصر قرب
من درین ایوان نمی پیرم ببال خویشان
من چو مرآت دیم حسن از جمالش برده ام
جز جمال او نمی بینم مثال خویشان
آئینه مغرور حسن خویشان هرگز نشد
بلکه می بیند جمالی در جمال خویشان

ساقیا وقتست اگر جامی بهستان می دهی
کز خماری مانده ام اندر طلال خویشان
بادۀ خواهی که بستاند مرا از من تمام!
تا چو منصور آن زمان یابم دصال خویشان
قطره زان باده کوه طور را صد پاره ساخت
عاشق مسکین کجا ماند به حال خویشان

از برائے طوطیان باغِ قربت می برم
 تنگ تنگ شکر از شیرین مقالِ خوشتن
 آن گلی کاند در سحر به شگفت در باغِ دلم
 بلبل طبع معین را کرده لالِ خوشتن

چو قصدِ بارگج کبریا کند دلِ من
 فراز عرش بود گسترینه منزلِ من
 مرا بجاذبهٔ عشق می کشد سوئے خود !
 کسے که دستِ محبت نهاد در گلِ من
 به گفتمش بتو واصل که می شود گفتا !
 ز خویش هر که بُرید گشت واصلِ من
 چو ماهِ بوم و بس جامهٔ سیاه شدم
 چو آفتابِ رخت رفت از مقابلِ من
 خسوفِ من نه ز بهر قصور خورشید است
 دلی زین بدن کشته است حائلِ من
 ز خرمنِ دو جهان گر نشد جوی حاصل
 پسینهٔ تخمِ محبت بس است حاصلِ من
 معاینِ ز سوزِ دلم شمهٔ چو نبوید
 ز خامهٔ دود بر آید ز آتشِ دلِ من

چشم دیگر بایست تا حسن او دیدن توان
 گوش دیگر تا کلام دوست بشنیدن توان
 رشته جان را اگر پیوند با وصلست بود
 خرقه تن را ز سرتاپائی بدریدن توان !
 چون بگوش مرغ جان آمد صدائے ارجم
 این قفس بشکستن و سوئی تو پریدن توان
 گر تو خواهی تیغ راندن وقت بسمل در گلو
 در میان خاک و خون چون مرغ غلطیدن توان
 برامید آن که دامان تو گیسو دوست من
 در لحد ریزیدن و در خاک پوشیدن توان
 هر زمان در باغ رخسارت گلی دیگر شگفت
 یارب از گلزار تو هرگز گلی چیدن توان
 از غمت مسکین و تحین هر دم بدست مبتلاست
 اے طبیب عاشقان بیمار پر رسیدن توان

عشقت دل و جانم را تا کرد جدا از من
 جان و دل من دیگر نشاخت ترا از من
 بر شمع جمال تو پروانه صفت گشتم
 یک شعله پدید آمد بستاند مرا از من!
 شب تاب سحر هستم اندر حرمت محرم
 چون روز شود پوشی رخسار چهره از من
 هر چند که وا گشتم او در پئے من آمد
 او کرد وفا افزون چون دید جفا از من
 تا از کف آن ساقی یک جام بقا خوردم
 بزود دئے وحدت ز نگارفتن از من
 منصور صفت گر چه زین دیر قرار فتم
 صد نور همی گیرد آن دار بقا از من
 خواهی که رخس بینی در چهره من بنگر
 من آئینه اویم او نیست جدا از من

دل هست او پس قرن اندر یمنِ قالب
 بشو ز مشام جان آن بومئ خدا از من
 گفتا که چو برگیرم برقع ز جمالِ خود
 دانی که زنی باشد مستی تو یا از من
 گفتم چو معین زین می هد جام اگر باشم
 دم در گشتم و ناید چون کوه صدا از من

مران چون زد تو آیم توئی وسیله من
 منم چو آئینه و حسن تو جمیل من!
 دران زمان که زیاران و دوستان بزم
 تقریم بتو بهیستر که با قبیل من
 تو کار بنده بتدبیر خویش سازی به
 که مشکلات کجا حل شود به حیل من
 کجاست عشق که تا بگذرانم ز حجاب
 که سدر راه شد این عقل پر عقیل من
 ز قید تن بچم مانم بسان خر نخلاب
 براق عشق چو بر بسته در طویل من
 چنان مرا بنجیالت خوش و تنای دصال
 که حور عین نتواند شدن حلیل من
 بریزد غنِ عرفان درین زجابه من
 چراغ عشق برافروزد از فستیل من

معین که دست تھی میرد و بدرگه دوست
 اگر کہ ہم سکریم او شود و سیلہ من !

دلا بہ چشمِ حقیقت جمالِ دوست بہ بین
 نہ منظرِ ہمہ اشیا ظہورِ دوست بہ بین
 دلا تو حسنِ خدا دیدہ غلط نہ کنے!
 کہ در جمالِ خدا جلوہ گہمِ دوست بہ بین
 مرا ز دیدنِ ساقیست متی لے ہشیار
 نہ مستیم نہ شراب و خم و سبوت بہ بین
 بگوشِ ظاہر و باطنِ حدیثِ عشق شنو
 بہ چشمِ صورت و معنی جمالِ دوست بہ بین
 لب از حدیثِ فرو بند گوشِ جان بکشا
 درونِ پردہ دل این چہ گفتگوست بہ بین
 مگر تو دعویٰ عشقش ہی کنے شا با ش
 تو فارغ از طلبِ داد بہ جستجوست بہ بین
 بہ مغزِ جانِ معینِ نہان شدہ است کسی
 چنانکہ جانِ من اندر درونِ پوست بہ بین

سوخت از بهر تو جان و جگر سوختگان
 این چه روزست که آمد بسر سوختگان !
 سوخت سرتا قدم جمله درین دوزخ بھر
 به محمد که رساند خبر سوختگان
 دیدہ خون ریخت ز سوز و به جگر آب نماز
 آتش افتاد درین خشک تر سوختگان
 ای که ہر شب بدلم آتش دیگر زدہ
 ہم بیندیش ز آہ سحر سوختگان
 بر جگر داغ نہادی و دگر می ریزے
 بہ شکر خندہ نمک بر جگر سوختگان
 ہم دم نیست بجز نالہ و آہ حسری
 ہر کہ باشد بہ گریزد ز بر سوختگان
 آتش عشق معاین شعلہ چنان زدی دل
 کہ بود دوزخ سوزان سحر سوختگان

این درد که من دارم با کس نتوان گفتن
 سوز دل عاشق را با کس نتوان گفتن
 پیش دل خود که دردی تو همی گفتم
 دل نیز میداد من زین پس نتوان گفتن
 هر چند تن زین درد واپس ترم از هر کس
 چون پیش تو جان بازم واپس نتوان گفتن
 بردار دلم از تن تا صید کنم جان را
 شهباز همایون را که کس نتوان گفتن
 بیمار لب لعلت بر بستر خون خسید
 بالین غریبان را اطلس نتوان گفتن
 تقصیر بسی دارم پیش تو ولی عیسم
 در رویم اگر گویی در پس نتوان گفتن
 ستر غم عشقش را با خلق معین کم گوی
 احوال سلاطین را با کس نتوان گفتن!

از پس پرده جمالی می نماید کیست آن !
 آن که یک یک پرده از رخ می کشاید کیست آن
 تا بکی چون احولان بینی لباس مختلف
 آن که هر دم در لباسی می نماید کیست آن
 جام می بر کف نهاده عکس خود دیده در آن
 هر زمان در باد مستی می فزاید کیست آن
 من یقین دارم که بیرون است او از شش جهت
 آن که هر دم از ره دیگر در آید کیست آن
 در مقابل رخائے عشق از متاعی هر دو کون
 هر چه دید اندر کف دل می رباید کیست آن
 گز ندارم هیچ اما عاشق آن دلبسرم
 کود هم در عاشقان را هر چه باید کیست آن
 چون نگیرد ظلمت غم ساحت دل شام هجر
 آن همی که ز برج جان ناگه بر آید کیست آن

گل به تخت ناز و حشمت خورده گیر می کند
 بلبل کاین جا زبان در هم نخاید کیست آن
 گر به صورت هم چو بلبل محو گل گشته معاین
 آن که در گلزار معنی می سراید کیست آن

می دمد بوئے ندانم تا کدا این دوست این
 بوئے عشق ست این که می آید سوئی دوست این

جان چو بولیش بشنود بر خود یدر دپسین
 روح پاک ست این نمی گنجد درون پوستین
 این چه نور ست این که جان چون ذره سرگران است
 آفتاب این نور کی دارد جمال دوست این
 این همان جانست کورا هر طرف می جبت دل !
 کین زمان لب بر لبم به نهاده دبر دوست این
 بر دل عاشق زنده هر لحظه عشقش نشتر می !
 زخم آن نشتر بمبین بنگر چه خوش دارد ست این
 دل که بر خوان وصال دوست نبیند کراست
 خام شوری دارم اما زان سگان کوست این
 ماده هو چون هیا هو ریخت بر جان معاین
 از دلش تا عرش صد جانعه یا هو ست این

تن میان خلق و جان نزد خداوند جهان
 تن گرفتار زمین و روح و صفت آسمان
 تن نشانه گشت تیرِ حادثات و هر ز را
 روح اندر خلوت خاص از دو عالم بی نشان
 گوهری در خاتمی نبی بود یک قرنی قرین
 شد جدا از خاتم و آمیخت هم باصل دکان
 قطره برداشت ابر قدرت از دریای جود
 باز آن قطره بدریافت دشم زنگِ آن
 قطره را اگر ابر از دریای نبردی در هوا!
 دُرِ شهوار از کجا بودی بگوشِ هوشان
 گوهری آورد در بازار عالم در فروخت
 هم بخود دلال گشت و خود خردید از خود نهان
 از پس پرده متعین بنگر که از سلطان غیب
 عشق خود با خود همی نازد بنام عاشقان!

آتش عشق تو در جان من افتاد کنون
 رفت آرام و قرار همه بر باد کنون
 آن که بر برگ جان زخم تو خوردم چون چنگ
 چه عجب گر کنم از دست تو سر یاد کنون
 گر چه دل در خیم چو گان بلا افتاد دست
 جز تحمل چه توان کرد چو افتاد کنون
 شاه عشق آمد و شهر دل من ویران کرد
 لیک صد گنج بهر زاویه به نهاد کنون
 خلق گوید که این شهر چرا ویران شد
 وه که ویران نشد این بلکه شد آباد کنون
 مدتی بسته زندان طبیعت بودم
 دست غیب آمد و بندم همه بکشتاد کنون
 ساقی بزم خدائی در می خانه کشاد
 صد هزاران خم نخان به من داد کنون

تاریخ ساقی ما پردهٔ عزت برداشت
 طوهرستی مرا کند ز بسیا دکنون
 آن همه باده که از جام صفا خورده معین
 هم چنان از طلب خویش نه استاد کنون

من نہ آن رندم کہ از می سرگران خواہم شدن
 گر نہی لب بر لبم مست آن زمان خواہم شدن
 حالیا باری چونی دم در کشیدم در سراق
 چون لبست بوسم من آن دم در فغان خواہم شدن
 این زمان مستم ز من از غمزه ساتی میرس
 چون شوم ہشیار در شرح دیان خواہم شدن
 من ہی گفتم چو بینم کومیش احوال خویش
 من چہ دانستم کہ آن گدے زبان خواہم شدن
 ز در قم شد غرق و با بحر آشنائی مشکلست
 یارب از گرداب حیرت برگران خواہم شدن
 بے نشان گشتم من اندر حبتن آن بے نشان
 عاقبت در بی نشانی بے نشان خواہم شدن
 گفتمش بہر تو تا کی در جہان خواہم دید
 در طلب تا چند نزد این و آن خواہم شدن

گفت زین دآن چه جوئی جز خود از آن کہ من
 در تنّت چون جان ز پیدائے نہان خواہم شدن
 آئینہ ہستی خود را صیقلے میسزن کہ من
 گرچہ پناہم ولی آخر عیان خواہم شدن
 راہ از من صلاح و عافیت دیگر مجوی
 زانکہ من در عشق رسولے جهان خواہم شدن
 گر امید دیدنش نبود من از کنجِ حجیم
 والتد از ہر سو سوئی خلد جان خواہم شدن
 از مضیق کن فکاحم کی بود دانی عبور
 آن زمان کا نہ رضاءئی لامکان خواہم شدن
 نقد کو نیم بجفت گردیت بردمان جان
 آستین افشان برون زین خاکدان خواہم شدن
 ذرّہ خاکم ولی با ہر دارم دوستے !
 پائے کوبان تا فراز آسمان خواہم شدن

از نفخت فیضِ مینِ روحی و سیدِ معین
 لاجرم چون روح قدسی جلد جان خواهم شدن !

رسید یک نظر از شاه دل نواز بمن
 قتاده سایه آن سر و سر نراز بمن
 هماغی قدس که بودیم سایه پرور اَد
 هزار شکر که افکند سایه باز بمن
 دلم چو فائز آسید روزگار شود !
 رسد ز فیض تو صد گونه اهتزاز بمن
 مرا که پایه جا هست فوق نه طارم
 ز خدمت تو رسیدست اعتزاز بمن
 زمین دولت سلطان عاقبت محمود
 اگر رسد چه عجب منصب ایان بمن
 چو رو به عالم غیب آورم باستقبال
 عرائس فلک آیند پیش باز بمن
 بگوئیت که بوقت ظهور ستر وجود
 رموز عشق چه گفتند اهل راز بمن

که تا مقیدِ قیدِ وجوب و امکانے
 نیازِ روئے تو دارد چنان که نارِ بمن
 چگونہ سودِ توان برد از دکان که درو
 قناعتِ ست بمشقالِ دِ حرص و آرزِ بمن
 نشسته منتظرم تا که پرده دارِ جلال
 بدستِ غیب کشاید درِ سرازِ بمن
 زردوده زنگاستن از جانِ جان کند جلوه
 حقیقتِ تو در آئینہٗ محبازِ بمن
 وفازِ عمر چه جویم که هر نفس که زدم
 چنان برفت که دیگر نگشت بازِ بمن
 بہرِ میِ قدمی میرنم ولی چہ کنم!
 کہ عمرِ کوتہ درہ می شود درازِ بمن
 متاعِ جان و جهان می برد بشدِ رِ غم
 دگر غمیت بیا بدستِ ترک و تازِ بمن

ہر انچہ سوخت بساز و چنین شیند ستم
 ایا سپہر کہ میسوزیم بساز بمن
 بود کہ ختم سعادت کند بخود واجب
 چنان کہ فاسخہ در مستح ہر نماز بمن
 سپہر با تو ساز و متعین تو سوئے حق
 مگر کند نظر لطیف کار ساز بمن

من شراب عشق را پیانہ ام اسی عاشقان
 آن پر پی را دیدم و دیوانہ ام اسی عاشقان
 زان فسوں کان لب بگو شمع خواند در روزِ ازل
 در زبانهات ابد افسانہ ام لے عاشقان
 گفتمش بنہائے رخ گفتا کہ دیدار مرا
 دیدہ باید ورنہ من نہان نہ ام اسی عاشقان
 من چو حسن بتگر اندر چہرہ بت دیدہ ام
 بعد ازین سر بردر بت خانہ ام اسی عاشقان
 جذبہ نورِ جالش می کشد سوئے خودم
 گویا او شمع و من پروانہ ام اسی عاشقان
 اندرین کاشانہ ویرانہ کی منزل کنم
 من کہ بادشاہ جہان ہم خانہ ام اسی عاشقان
 بادل اشکۂ گفتم تو کعبہ و آد کعبہ
 گفت او گنجست و من دیرانہ ام اسی عاشقان

تن چو بحر و دل صدف دلبر چو درپند آستم
 فی کہ او بحرست و من دُر دانه ام ای عاشقان
 تا تم دل گشت دل جان گشت جان جانانہ شد
 فی تم فی دل نہ جان جانانہ ام ای عاشقان
 کہ میان ما و ساقی صدر ہزاران پردہ است
 مہد راندہ نعرہ مستانہ ام ای عاشقان!
 تا معین گشت آشنا بایارِ خود لے درستان
 من دگر اندر میان بیگانہ ام ای عاشقان

تن چو از خاکست اورا خاک می باید شدن
 جان ز افلاکست بر افلاک می باید شدن
 گم تو خواهی در نہ در آتش بیاید سوختن !
 چون ز مرغشوش کورا پاک می باید شدن
 در طریق عشق و ادیباست کاندہ قطع آن
 کاہلی کے می توان چالاک می باید شدن
 اے دل از تیر قضا تمل کے توان کردن حذر
 ہم چو صیدت بستہ فتراک می باید شدن
 گر عروج جان معینی بایدت بر نہ فلک
 در رکاب خواجہ لولاک می باید شدن

چشمه سارِ دل که شد محجوبِ غرسنگِ بدن
 تیشه بردار و این غرسنگ را در هم شکن
 آبِ حیوان ست اندر ظلمتِ هستی تو
 ماهی شو خویش را در آبِ حیوانی فگن
 وه چه سوزست این که ماهی می طپد از بهر آب
 با وجود آن که دارد در دل دریا شکن
 گمر چه ماهی بر سرتابه بسوزم جای ان سے
 زین همه آتش که افتادست اندر جان من
 دل مرادرسینه می سوزد همه شب تا بروز
 ز آتشِ جبرانش چون شمع که سوزد و در لگن
 لیک چون شمع که بر بالین بیماران بود
 فی چو آن شمعِ فروزان در میانِ انجمن
 بلبل جانم که می نالد بدام آب و گل
 نوّه غم می سراید بهر مرغِ غانِ چمن

چون ز باغ وصل آمد سوئے زندانِ فراق
 جائے آن دارد کہ نالدا ز پی حب وطن
 بلبلا تا چند می نالی درین مجلس سر اے
 قوت از بازوئے حق جو دین نفس در ہم شکن
 محنت ہجران بہ یعقوب از کہ پیرا ہن رسید
 عاقبت ہم مژدہ وصلت رسید از پیرا ہن
 چون تو مرآتِ خدائی ہر چہ ہست از خیر دشر
 اندرین آئینہ می بین و بردیش دم مزن
 چون دل مسکین معین آئینہ تست اے کریم
 آئینہ خود را صفائی دہ ز نورِ خویش تن

اے صدائے بلبلان در صحنِ بستان حمد تو
 دی نواۓ مرغِ جان در باغِ ایمان حمد تو
 تابِ خورشیدِ شہود اقا در قصہٴ وجود
 گفت ذراتِ جہان پیدا و نہیان حمد تو
 قرعہٴ قسمت دران روزیکہ می انداختند
 نعمت آمد قسم جسم قسمت جان حمد تو
 مشکل از شکرش ہمیں نعمت بردن ایم کہ چون
 بر زبانِ قاصر من گشتہ آسان حمد تو
 گر بودی حمد معراجی ز قصہٴ قدرت
 کی شدی سرِ دفتر الفاظِ قرآن حمد تو
 حامدانِ گہ عرش را در مدح فرشتہ کنند
 زادِ عزت پایہٴ ناید بپایان حمد تو
 گنگ شد مسکینِ معین ہم خود ثنائی خود گو
 بہتر آن باشد کہ من گویم بد مینان حمد تو

من نمی گویم آناتحق یار می گوید بگو
 چون نگویم چون مراد لدار می گوید بگو
 هر چه می گفتی بمن هر بار می گفتی بگو
 من نمی دانم چرا این بار می گوید بگو
 آنچه نتوان گفتن اندر صومعه باز ابدان
 بی سخاشی بر سر بازار می گوید بگو
 سر منصوری نهان کردن نه حد چون نیست
 چون کنم هم ریسمان هم دار میگوید بگو
 گفتش رازیکه دارم با که گویم در جهان
 نیست محرم باد و دیواری گوید بگو
 آتش عشق از دخت جان من برزد علم
 هر چه باموی بگفت آن یار می گوید بگو
 گفتش من چون نیم در من مدر می در می
 من نخواهم گفتن این اسرار می گوید بگو

اے صبا گر پست کز ماچی گوید معین
 ابن دوتی را از میان برداری گوید گویا

نور تجلی میرسد ای طورِ دل صد پارہ شو !
 ای مرغِ جان بشکنِ قفسِ زینِ خاکدان آوارہ شو
 بہ نہاد استادِ ازل بنیادِ این قصہ ترا
 بگذر ز نقشِ آب و گل حیران آن گل کارہ شو
 این ہفت کوکب از فلکِ برآب و گل تابد بے
 تو نورِ جان و دل طلبِ بالائے ہفت ستارہ شو
 خواہی خمارت کم شود ساقی طلب نہ جام مے
 در ہم شکنِ خم و سبواندہ پی خمارہ شو
 در کوئے بدنامی مرا پیوند شد باد لبری !
 این خرقہ ناموس من گو صد ہزاران پارہ شو
 گفتمی چو بے چارہ شوی آنکہ ترا چارہ کم
 والد کہ بے چارہ شدم بیچارگان را چارہ شو
 تا چند در ہمد زین چون کو دکانِ باشعاعین
 بر چین بساطِ ما و طین دارستہ از گہوارہ شو

آئینه وجودم چون گشت منظرِ تو
 گرچه نبود قابل شد خوب و در خورِ تو
 نورشید بودی من آئینه ز آهمن
 گشتم چو ماه روشن اندر برابرِ تو
 هر جا که رخ کشودم حسنِ تو می نمودم
 هر ذره از وجودم چون گشت منظرِ تو
 گفتم ز خود خبر کن گفت از خود گذر کن
 دانکه بخود منظر کن تا کیست در برِ تو
 بگذر معین ز کثرت اندر مقام وحدت
 آن شاه تاج عزت بنهاد بر سرِ تو

بیا در بزمِ اَدَاؤِ فی' یکی حرفی ز من بشنو
 و زان اسرارِ ما اَدَا حیا یکی طرزِ سخن بشنو

اگر اسرارِ وحدتِ رازِ من باورِ نبی داری!
 تو گوشِ هوشِ خود بکشائی و بے کلام و دهن بشنو
 بر افکن نورِ ظلمتِ رازِ ره بردار کسرت را
 پس آنکه سترِ وحدتِ را تو هم از خوشن بشنو

نیازِ عاشقان و نیازِ معشوقان چه می پرسی
 زبانِ چون سوئے گنگست از مرغِ چمن بشنو
 گهی کز شوقِ میِ نالم خبر که دارم از عالم
 رنجی بر خاکِ میِ مالم که لے جان در دهن بشنو

جوابی می رسد هر دم بگوشِ من ازان عالم
 که من رازِ تو بشنیدم تو اکنون رازِ من بشنو
 معینِ درکش می باقی نبی لب بر لبِ ساقی
 پس آن که دردِ مشاقی ازان خوبِ ختم بشنو

تعلیم زبا بفلک دبرِ عرش معلا رو!
 آن جائے کہ جان نہ بود بے جا شود آن جا رو
 اے قطرہ تو از بحرِ می ہر چند جدا ہستے
 گر سربہ فلک سائی ہم جانبِ دریا رو
 مرغِ دل ہر زاہد تا باغِ جنان پتر دو!
 اے دل تو از ان بگذر برقبہ اعلیٰ رو
 مانند چند تا کے بر ہر حثی پتری
 چون بالِ دِ پری داری بر پرِ سوِ بالا رو
 ای بی ادبِ مسکین ز افعالِ چہ می جوئی
 تعلیمِ خدا خواہی در کتبِ اسما رو
 گفتی کہ برد از من نہان ست نمی یابم
 زان راہ کہ می دانی اندر دلِ شہارو
 چون جانبِ ما آئی ہم را بہرت ما یم
 ہمراہِ مجو جز ما چون می روی با ما رو

این قید حدوث از پاپ بردار معین یک یک
 زنان ره که رسیدنی هم در پی خود دارو

در آئینہ جانم بہ نمود خیالِ تو
بگنخت دل از عالم از شوقِ جمالِ تو

من محنتِ ہجران را امروز خریدارم
سرمایہ سود من سوداے وصالِ تو

ایوانِ مرادِ ما از عرشِ منزون باشد
ندانِ مورِ صفتِ خود را بستیم ببالِ تو

از خونِ دلِ عاشقِ می نوش بجائے می
در مذہبِ عشقِ آمد این بادہِ حلالِ تو

ناقص نشود کامل ہرگز بہ کمالِ خود
بگذر ز کمالِ خود این ست کمالِ تو

در صدرِ وصالِ آرد عشاقِ معینِ را
رہ نیست روا باشد در صفتِ نعالِ تو

از مطلع دل زد علم یک لمعان رخسار او
 شد ذره ذره مستقیم در پرده الوار او
 یا آن که ذرات تنم هر یک هزاران دیده شد
 یک ذره هم دیده نشد از پر تو رخسار او
 حشمت چو آید جلوه گری طاعت نیار و چشم سر
 از دیده دل کن نظر تا بنگری دیدار او
 عشقش نهال باغ جان میوه وصال جاودان
 تو برخواهی خورد زان هم دست بر خوردار او
 بگذر ز کوئے آب و گل در رو بقصر جان دل
 یا منیر خود بین متصل سترے ہم از اسرار او
 عاشق ز راه معرفت بگذشته از فعل صفت
 و بین عاقل و غافل صفت سرگشته در آثار او
 اظهار حسن دلبری می بین ز هر مه پیکری
 پیدا است در هر منظر می آن حسن آن اظهار او

منصور کی بود آن زمان کاوردانماحق بمن زبان
 ز نهار غیر حق مدان دیار اندر دارا و !
 گویند یار یار شو تا چند باشی یار خود
 فی فی که یار خویش شو تا چند باشی یار او
 پر شد جهان یکسر از دشنیک بد منتظر از او
 مومن از و کافر از و در قید نور و نار او
 خواهد کند در خود نظر آئینه سازد از بشر
 بازش کند زیر و زبر جیرانم اندر کار او
 در ظلمت آباد عدم یک شعله ز انوار قدم
 در هر دلی کوزد علم از جان نمود اقرار او
 در پرده آتش مگر حسن تو آمد جلوه گر
 پیر مغان کرد آن منظر کس چون کند انکار او
 ترسا سویتا بشافته بوی از چلیپا یافته
 زلف تو بر هم تافته آن حلقه ز نار او

مسکین معاین در یک غزل به نو داس ارازل
 بشنو کلام لم یزل در سوت گفت اراو

هستی طلیعه ایست ز نور وجود او
 کونین شبنمیست ز دریای وجود او
 در جنب آفتاب کجاذره راتباست
 اندر جوار سایه نماید وجود او
 ناورد چون صدف گهر وصل و بکف
 تا دل نگشت غرقه بحر شهود او
 ز آئینه دلست نمودار حسن دوست
 ز رنگ وجودتست حجاب نمود او
 که شعله ز عشق که در جان خود زخم
 تا ار هم ز ظلمت هستی و درود او
 عاقل چه پی برد که فنا می بقااست
 و اندر زریان عقل نها و ند سود او
 از تار عنکبوت چه پر فاهای را
 و امیست بهر صید گس تا رو پود او

بینی چو جان ز قید حوادث بدرپرد
برزورده و نیافتد آلی صعود او

از روح خاص خویش دیدی درآمدی
ورنه کجا ملائکه کردے سجود او

از کنج عشق برده جهان مایه دین عجیب
کامندرد و کون یافت نہ بیچ از نفود او

باشد جهان دمانہ غم خویش خور معین
تا چند غم خوریم ز بود و نبود او

پیش از آن کاستا دفطرت فرشت وایوان ساخته
 پایه قدرت فراز کون و امکان ساخته
 قالب آدم چو از خوابِ عدم برداشت سر
 خاکِ پایت طوطیائی دیده جان ساخته
 هم چو بسم الله بر منشور قرآنت خدای
 تا قیامت هم عنان مانند عنوان ساخته
 اندران عنوان دور رحمت کرده طاهر اندرین
 جسم و جانیت رحمتی بر انس و بر جان ساخته
 دشمنان از کین تو بر نارِ حرمان سوخته
 دوستان از مهر تو با نور ایمان ساخته
 شهسوارِ دلِ شوقیکه در میدانِ چرخ
 عشق از بدر و هلاکت گوی و چوگان ساخته
 خوابه عالم تو بودی لاجرم بنای صنع!
 از برایت چتر و طاقِ هفت ایوان ساخته

دُردِ وحدت را که می جویند در بحرِ قدم
 حق درونِ حقهٔ جسم تو پنهان ساخته
 از بر لکے ماحضر پیش گدایانِ ت خدای
 هشت جنت با هزاران عورت و غلمان ساخته
 راه جنت گرچه دشوارست پیش دیگران
 بر طلب گارانِ این امت چه آسان ساخته
 نارِ مروتی برا بر اهِمِ گرشد گلستان!
 آتشِ دوزخ بر این امت گلستان ساخته
 بهر فرزندِ خلیل اگر گویند آمدند
 بهر این امت فدا از نوع انسان ساخته
 گوهرِ وصلش بنقدِ هر دو عالم می خسند
 لیکن از بهر گدایانِ تو از زان ساخته
 یا رسول الله بحالِ عاصیان کن یک نظر
 تا شود زان یک نظر کا فقیه زان ساخته

رحمة للعالمین بر معینى رحم کن !
 کنز جهالت خویش را محکوم شیطان ساخته

امی کوسِ دولتِ تو ملکِ بر فلکِ زده
 عشقتِ علم بہ سینہ ہر یک بیکِ زده
 آئینہ دارِ طلعت تو بودہ آفتاب
 خرگاہِ زر طنابِ ازانِ بر فلکِ زده
 مہ لافِ حسنِ زرد بہ فلکِ لاجرمِ شکاف
 از پنجہ سیاست تو آن فلکِ زده
 از صفحہ سپہ نشد حلِ مشکلات !
 زانِ سرِ واقعتش سہ نقطہ بہرِ شکِ زده
 دیوے کردہ خدمتِ دولتِ سرے تو
 در اوجِ کبریائے تو پر بر ملکِ زده
 دانستہ نقدِ بغیشِ صاحبِ عیارِ چسیت
 صرافِ عقلِ نقدِ تو چون بر محکِ زده
 در بزمِ خاصِ محرمِ الا اللہ آمدہ
 چون تیغِ لا تبارک ہر مشترکِ زده

در نعت خواجه دوسر روز و شب معین
 کوی محبتش ز سماء سما نروده

یک قطره بجز قدش بر هر دو عالم ریخته
 و آن قطره صد دریا شده در کام جانم ریخته
 نور تجلی زد علم هر صبح از برج قدم!
 کوه وجودم لاجرم چون طور از هم ریخته
 از جمله ذرات جهان نور تجلی بین عیان
 زیرا که بجز بیکران در طرف عالم ریخته
 چون برزند خورشید سر حقا که نگذارد اثر
 موج هوا شب تا سحر چندان که شبم ریخته
 شهر چون خود و جام صفا بر خاک ریزد بر عیا
 زان حق شراب عشق را بر خاک آدم ریخته
 من عاشق دیوانه در می کشم نخم خانه!
 زان می که یک پیما نه بر عرش اعظم ریخته
 نار محبت از ازل می سوخت تا روز اجل
 دل را که عشق لم یزل در بوتۀ غم ریخته

چشمے کہ از انوارِ اومی بود بر خوردار او
 از حسرت دیدارِ ادا شک و مدام ریختہ
 عشق ازورائی نہ فلک آتش زو اندیکہ یک
 و انگہ بداغ مانک بر جلے مرہم ریختہ
 خونی و می درد دل از ان می ریزد اسرارِ زمان
 چون خدرہ آہنگان کز ضربتِ دم ریختہ
 در تافت خورشید یقین از مطلع جان معین
 واللہ کہ فیضی این چنین بر ہر دلی کم ریختہ

جانے کہ مذاقش مزہ عشق مزیدہ
 از لطف گریزان شدہ در قہرِ تحریدہ
 در قیدِ متعلق نتوان داشت ابد بند
 مرغی کہ ز دایم سہر زلف تو پریدہ
 سالک کہ در اول قدم این ہنشدش طے
 رہ رفتہ بسی لیک بجائے نہ رسیدہ
 از گلبنِ غم خارِ ستم خوردہ نالید
 آن دیدہ کہ در گلشنِ جانِ پدیدہ
 جانم چو گل از غنچہ بروی آید از ان باد
 گوشتِ سحر پرودہ ز روئے تو کشیدہ
 کو محرمِ جان تا ز دل آرم بہ زبانش
 آن نکتہ کہ گوشتِ زلبِ عشقِ شنبیدہ
 در یائے کرم موجِ محبت زدہ صد بار
 در ہامہ در رشتہ جانِ تو کشیدہ

وانی کہ بہ جنت چہ بود لولوی منشور
 آن داند اشکے کہ ز چشم تو چکسیدہ

از بزم الست آمدہ سرمست معین
 زان جرعه کہ جانش ز می عشق چشیدہ

اگر بہ چشمِ حقیقت وجودِ خود بینے
 قیامِ جملہ اشیاء بودِ خود بینے
 وجودِ ہیزِ میتِ نارِ موسوی گردد
 اگر بروں کنی از سر تو دودِ خود بینے
 ز تعجبِ توحیدِ درِ عشقِ بر آرا
 کہ گنجِ مخفی حق را نقودِ خود بینے
 بہ قصرِ عشقِ ترا پایہ از سر جہد است
 کہ تختِ ہر دو جہان را فرو دِ خود بینے
 تو چون فرشتہ نظر بر جالِ دوست گمار
 نہ چون لعین کہ ہمیں درِ سجودِ خود بینے
 ازین حسیضِ ذنابت چو بگذری شاید
 کہ تا دنی افتد کی صعودِ خود بینے
 بیاز خانہ بروں آو نورِ دوست نگر
 تو چند شیشہ سرخ و کبودِ خود بینے

اگر ز آئینہ زنگِ حدوثِ یزدائی
بجالتِ شاہِ حق در شہودِ خود بیسنے

بہ بندِ دیدِ کز اعیان کہ تا ز عینِ عیان

وجودِ دوست چو جانِ وجودِ خود بیسنے

بیابہ بزمِ گدایانِ شہِ نشانِ خود لیست

کہ تا نتیجہٴ احسانِ وجودِ خود بیسنے

در آہِ مجلسِ مسکینِ معینِ شوریدہ

کہ نقلِ و بادہ ز گفت و شنودِ خود بیسنے

گوهر عشق چو در چشمہ تن می طلبی
دل چو دریا کن اگر دُرّ عدن می طلبی!

چہ روے دشت و بیابان سوائے آہوی تبار
زلف او بلوئی اگر مشک ختن می طلبی

بار عشقی تو دیرین دام کہ آرام مجوی
سوئی او باز پر از زان کہ وطن می طلبی

نکتہ جستم از ان منطق شیرین بہ سوال
گفت بگو کہ کلام بچہ فن می طلبی

من نہ جانم نہ دلم فی بدنم چندان
کہ ز جان گاہ ز دل کہ ز بدن می طلبی

بر سر عرش دویدم کہ بگو یار کجاست
گفت بائت شب در روز زن می طلبی

عاقبت پردہ بر افکند کہ ہاں پیشتر آہی
جام می گیر اگر شرّم شکن می طلبی

گیر در و ابر بقا جبل انا الحق در دست
 چند در ویر فنا دار و رسن می طلبی
 عندلیب چمن عشق شولے طائر قدس
 گر تماشا می گل صحن چمن می طلبی
 خانه خالی کن از اغیار و بجو یا مصعین
 کیمن محالست کہ ضدین معاً می طلبی

چو از جمال نقابِ بطون براندازی
 دران ظهور وجودِ مرا عدم سازی
 ز نورِ حسن چو رخسارِ شمع آرائی
 مکن ملامتِ پروانه به جان بازی
 نقوش مهر تو از مهر دل نخواهد رفت
 اگر در آتشِ عشق چو موم به گذاری
 چو چنگ می کشم این گوشه‌ی زخم فراق
 مرادم آن که بزمِ وصال به نوازی
 سپاه درددل بلا صفت کشد از چپ است
 به قلب ما علم عشق چون برافسری
 همین دلست که آئینه است دردش
 گهی چو گوئی بهر جانی که می تازی
 دلی منظر اهر دایمان چو رخت بر بستند
 تو خواه آئینه سازی و خواه گو بازی

هر آینه که تو عکس جمال خود بینی!
 اگر در آینه دل تجلی اندازی
 رموز عشق دلم از تو با تو می گوید!
 چرا که هم چونیش همدم دهم آوازی
 بغیر از دل خود نمی توانم گفت!
 تو را ز من شنوی به که محرم رازی
 معین به یک نظر از خاک برگرفته تست
 بدان امید که باز از منظر نیستندازی

اے کہ اندر عین پیدائی نہانی کیستی
 ہرچہ در فہم و گمان آید نہ آئی کیستی
 جملہ اشیاء حد و صف شد معلوم خلق
 اے کہ بیرون از حد و صف بیانی کیستی
 اے کہ در ہر مظہری نوعی ظہوری کرد
 در لباس جملہ اعیان عیانی کیستی
 فی بدن از تو خبر دارد نہ جان از تو اثر
 تو چو جان از بسکہ پیدائی نہانی کیستی
 اے کہ ہم چو شہد و شیر اندر رگ جانی روان
 جان شیر بن منی با جان جانی کیستی
 منزل سَمِعَ دَبِّ نَیْطِقٍ بہ عالم در زدی
 اے کہ سمع و نطق ہر گوش و زبانی کیستی
 جملہ ذراتِ جہان ہر یک نشان ذاتِ تمت
 با وجود این نشانہا بے نشانی کیستی

در فراق آزار ریش درد مندانی و لیک
 در وصال آرام جان عاشقانے کیستی
 جام شش روی جهان از عکس رویت روشن است
 تو بدون از شش سوی کون و مکانی کیستی
 من بخت دجوئی تو هر دم روم دیوانه دار
 وی عجب هر سو روم با من روانی کیستی
 با معینی گفت بر سوتاکی خواهی دوید
 هم ز خود جو هر چه خواهی تا بدانی کیستی

تو منظر لعلات جمال معبودی !
 ولی در یخ کز آئینه رنگ نزدودی
 درخت هستیت از نار عشق پاک بسوز
 که تا تمام نسوزی مقیدِ دودی
 چو مفردان مجرد ز پرده بدر آئی
 چو پیوگان چه گرفتارِ تاری و پودی
 زیان و سود چو در دست اختیار تو نیست
 زیان تو هم ازان شد که طالبِ سودی
 عدم وجود نگر دو که در حقیقتِ حال
 مجاز تو نهادند نام موجودی !
 سحر بامِ فلکِ طبلِ عشق می کو بند
 چه شد که یک سحر آوازِ طبل نشنودی
 در آبه عرصه میدان که در بدایتِ حال
 ز جمله منتهیان گوئی عشق برودی

تو قدر خود بہ ازین دان کہ درو اند فضل
 ہمہ طفیل تو اند و تویی کہ مقصودی
 ہنوز آدم و عالم نبود نام و نشان
 کہ در سراچہ وحدت جلیس حق بودی
 ملک بہ سجدہ آدم قیام نہ نمودی
 اگر عیان نہ بدیدی جمال معبودی
 شہید عشق شولے دل کہ نزد اہل شہود
 یکی ست مرتبہ شاہدی و مشہودی !
 اگر بکوی رسد قطرہ رود از جائے
 زیادہ کہ بجا بے دریغ پیمودی !
 کدام یادہ قوی تر ازین تواند بود
 کہ حسن خویش بجا بے حجاب بنمودی
 ز ذرہ ذرہ شنو نعرہ ہائے منصوے
 کنون کہ از رخ تابان نقاب بکشودی

هلاک من ز تو و اجتناب از تو محال
 مریض عشق ندارد دامید بهبودی!
 هزار بار کشیدم هزار بار غمت!
 تو بار دیگر و بار دیگر بهیمن روی
 ز بار عشق ننالدم معین ولی خودگوی
 که پشته چند کشت بار پیل محمودی

بخدا غیر خدا در دو جهان نیست کسی
 صد دلیل است ولی واقف از آن نیست کسی
 نکته ستر محبت چو نهان از من و تست
 لاجرم در صدد شرح و بیان نیست کسی
 مسند عزت و خلوت که وحدت خالی است
 از ازل تا به ابد در خور آن نیست کسی
 لاجرم عاشق و معشوق ز خود ساخت پدید
 تا که بروی بجز از وی نگران نیست کسی
 این همه زمره که سبید خود می شنوی
 تو چه گوئی که درین خانه نهان نیست کسی
 زنده دل را چه غم از رفتن جان روز ازل
 زان که دل زنده باین روح روان نیست کسی
 دل و جان عاریتم گم برو عسر تو باد
 اے حیاتِ دل من غیر تو جان نیست کسی

دعوی عشق درین معرکه هرگز نکند
 اگر از جان و دل خویش به جان نیست کسی
 بارِ عشق تو معینِ بدل و جان بکشد
 که هوادارِ تو تنها به زبان نیست کسی

اگر ز هستی خود چشم دل فراز کنی !
 نخت دیده بدیدار دوست باری کنی
 دمی ز هستی خود بگذری به از صد سال
 که روز روزه بداری و شب نماز کنی
 چو ستر دوست طح گر کنی ز خود کوتا ه !
 سزد که پائی درین انجن دراز کنی
 بلندیت به تواضع نهاده اند یکسر
 تو خویش را نتوانی که سر سراز کنی
 ز کعبتین فلک نقد جان نه خواهی برد
 چو عرض شعبده با چرخ حقه باز کنی
 به نازکی به بری پی بمنزل مقصود
 مگر سلوک رهش از سرنیا ز کنی
 گرت به ناز بر اند مرو که احسن کار
 بصد نیاز به خواند ترا و ناز کنی

زیندگی بہ نشینی بہ تخت سلطانی
 اگر تو خدمتِ محمود چون ایاز کنے !

مراے ساقی وحدت بدادی جبر عہازان مے
 کہ ہر دم از ہیا ہویش برآید از دلم ہی ہے
 مگر لے خم چہ می جوشی چو می دردی تو می زیری
 گواہی نی چہ می نالی چو ہم خود میدے در دے
 چہ بادست این نمی دامن کہ جام دل بہ یک جرعه
 چنان از رنگ صافی شد کہ دیدم یار را دودے
 بدیدم دلبری چون مہ شد از حسن ادوالہ !
 مرادر بر کشید آن کہ کہ از من می جہی تا کے
 مقاماتی بدیدم من حکایاتی شنیدم من !
 بحالاتی رسیدم من کہ کس آن جانبرہ پے
 ز عقل خود برون رفتم بہ بازار جنون رستم
 بہ مے خانہ درون رفتم بدیدم ختا پر مے
 روان یک جرعه پرکردم بہ یاد لعل او خوردم
 فنا از خویش بستر دم بقائی یافتم زان مے

نہ عصیان مانند فی طاعت شدم محو اندان ساعت
 چنان گشتم در آن حالت کہ دی من گشت من ہم دے
 متعین بیس کن این دعوی کہ در دیوان آن مولیٰ
 ہنوز از دفتر معنی نہ کردی یک ورق واسطے

گهی که از رخ تابان نقاب زلف کشائی
 ز عاشقان بنگاه هی هزاره دل بر بائی !
 بیاز پرده برون در نه جمله پرده فلک
 که نیست سوختگان را در گشایب جدائی
 چگونه صبر توان کرد در سراق جمالت
 که هر زمان بدلم صد هزار بار در آئی
 بیک حجاب که بروشتی دلم بر بودی
 جهان نماند و جان هم اگر جمال نمائی
 دلا به مجلس مستان در آ و خاک شو آن جا
 که جرعه بتوریزند از شراب خدائی
 چو جرعه خواری مستان حق نصیب تو آید
 ز هر حجاب که باشد تمام خود بدر آئی
 به نیم جرعه ز دل برزند هزار انا الحق !
 خوش باش معینی نگر بخود تو کجائی

دلا چو محرم آن دلبر یگانه توئی !
 قضا چو تیسر بلا می زند نشانه توئی
 وگر فرد ز دکان عشق آتش شوق
 شراره که بریزد از آن زبانه توئی
 تم چو دائره و نقطه در میان دلم
 ولم چو دائره و نقطه در میان توئی
 بگفتم از چه بهانه تو در حجابی گفت
 وجودت حجاب من و بهانه توئی
 بهائی عشق به دام حدوث کی کجند
 چو مرغ خانگی در قید آب و دانه توئی
 چو حلقه منتظری بر درونی دانی
 که طالب خودی در درون خانه توئی
 معین برائی به منبر بگوئی نکته عشق
 که بلبل چمن عشق در زمانه توئی

قصیدہ !

در حمد

حمدی کہ ہم چو بحر کرم بے کران بود
 حمدی کہ شکر نعت ہر دو جہان بود
 حمدی کہ در تضاعفِ ذرات کائنات
 چندان کہ مستزاد کنی بیش ازان بود
 حمدے بدان مشابہ کہ ادراک کنہ آن
 برتر ز پایہ حسد و خردہ دان بود
 حمدی کہ چون عماری عزت کند روان
 بر منکب ملائکہ حلقش روان بود
 حمدی کہ در ہوائی ہویت ہمای وار
 بر تخت گاہ ملک قدم سائبان بود

حمدی که ظل راتش ار بر کسی نهد
 بر سنده مقاصد خود کامران بود
 حمدی که چون ز حیطه جان سر بردن کند
 هر تار موی بر تن ازان صد زبان بود
 حمدی که چون قدم کشد از ضیق کن فکان
 جولان گش نباحت لامکان بود
 حمدی که چون زبان و دهنش زیور بیان
 تحسین و تدسیان همه نعم البیان بود
 حمدی که در هواس ملائک فگنده پر
 آن خود چه جائی حوصله انس و جان بود
 حمدی که نه ملک کند انشا نه انس و جان
 بل خود به ذات خود متصدی آن بود
 باد انشا را بار که قدس کبریا
 کان مصعد محمد قدوسیان بود

آن حمدِ ناقصیکہ لگویند بندگان !
 کی درخورِ خدائے حق عزو شان بود
 لا اخصی ست تحفہ خاصان در آن جناب
 این گفتگو چه لائق آن آستان بود
 در اوج کبر یاش فلک دست یالِ عجز
 آن شاہبازِ قدس کہ عرش آشیان بود
 ادبی نشان محض چہ جوئی از و نشان
 ہر ذرہ بر خدائی او صد نشان بود
 چشمست چون نیست پردہ ز رخ کی بر فلکند
 صاحب نظر کجاست کہ او خود عیان بود
 آن را کہ پردہ باز منظر بر گرفتہ اند
 در صد ہزار پردہ دیگر نہاں بود
 حقا کہ کوششے تو بجائی نہ می رسد
 گر بے کشش بہ جانب او ہر زمان بود

سَدِ وجودِ لبشکن اگر مرد این ره
 ورنه هزار ساله ره اندر میان بود
 او بود در ازل متوحّد که در وجود
 جزوی نبود و تا به ابد هم چنان بود
 از مطلع وجود چو نورِ تدم بتافت
 از ظلمتِ حدوث چه نام و نشان بود
 تا حشش از دریچۀ هستی نمود رُخ
 زین گفتگو بهر سرِ کوهستان بود
 ز آئینه وجود نماید بآب و خاک
 آن صورتی که معنی روح روان بود
 در نقطه گاه خاک مبین جز با اعتبار
 کان مرکز محاذ ز هفت آسمان بود
 اندر دِهانِ خاک هندی نفسِ ناطقه
 تا از زبانِ غیب ترا ترجمان بود

گنجی که شاه عشق نهد در دل خراب
 نقد دو کون در عوضش را ننگان بود
 هر هفت دوزخ از تن دل یک شتر است
 هر شست خلد یک گل ازین بوستان بود
 دیو و ملک بنقطه دل در تنازع اند
 چون سعد و نحس کش به فلک افتزان بود
 عقل و هوا فرشته و دیو بند و رنهاد
 با جسم و جان نشان به مثل تو امان بود
 جان را مدوز حکمت و تن را ز شهوت است
 نقصان این مقوی در حجام آن بود
 کم خوردنست مایه حکمت در آن قرائے
 سود دلست مگر چه که تن را زیان بود
 تن مرکب است بستر بر آخر ز بهر رزم !
 آن به کم روز معرکه لاغر میان بود

دل چسیت در بحر صفادان کمر اسزد
 آن را که چون صدف همه تن استخوان بود
 جان چون مسیح گر رهد از همد مریخی
 باروح قدس تا بفلاک هم عنان بود
 هر کس که پا بدامنِ همت کشد چو کوه
 از تند باد حادثه اندر امان بود
 و آن را که دل بکفت بود از بهر مهر دوست
 دل هم چو بحر باشد و کف هم چو کان بود
 و آن را که دیدی تر بود از آتش درون
 چون ابر بر بساط جهان در فشان بود
 در محبت فراق چو دل می رود ز دست
 در لذت وصال به بین تا چه سان بود
 از ذره ذره اش بچکد قطره قطره خون
 با هر دلی که عشق تو در امتحان بود

ہر مہمی ز غیر تو بردل جرات است
 زخمی کہ از تو می رسد آرام جان بود
 یارب بہ حق سید کونین مصطفیٰ
 کش جسم و جان خلاصہ کون و مکان بود
 شاہی کہ تخت سلطنتش گریزون زنند
 قدرش فراز ملکوت کن فکان بود
 آن خواجہ کز حریم حرم تا فضائی قدس
 گاہے عروج ز فلکش نردبان بود
 آن خرقہ پوش فقر کہ بردوش عرشیان
 از گرد دامن کرمش طیلسان بود
 یاران اہل بیت کہ درد ارض و عشق
 بر نقد دوستے رقم نام دشان بود
 زایشان شنیدہ ام کہ ز لطف تبندگان
 ہر چہ گمان برزند یقین آن عیان بود

نو مید چون شود دل و جان امیدوار
 جامی که رحمت و کرم بی کران بود
 دارد معاین به رحمت حق منتها می تو
 امید از آن زیاد که اندر کمان بود

ارشاد محبوب یعنے فوائد الفواد

کا اردو ترجمہ جو حضرت محبوب الہی سلطان المشائخ خواجہ
نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کا وہ مجموعہ ہے جو
عرصہ دراز سے نایاب تھا۔ انتہائی خوبصورت انداز میں طبع ہو گیا
ہے۔ یہ مجموعہ $\frac{۳۰ \times ۲۰}{۱۶}$ تقطیع پر ۶۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔
کاغذ سفید چمکنا۔ مع جلد حسین گرد پوش

ہدیہ صرف تین روپے

ملنے کا پتہ

کتب خانہ نذیریہ۔ اردو بازار جامع مسجد دہلی

دیوان قطب الاقطاب

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی حشتی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت والا کا یہ دیوان اس قابل ہے کہ اس کو تصوف کے
متوالے حق آگاہ لوگ شریعت و طریقت کا معیار سی مجموعہ سمجھ کر اس کا
مطالعہ کریں اور دینی و دنیاوی برکتیں حاصل کریں ۔

۳۰۲۲۰ تقطیع پر ۔ خوبصورت جلد و گردپوش ۔ صفحات ۶۰۰۔

۹ روپے

دیگر مذہبی و اصلاحی کتابیں ہم سے طلب فرمائیے ۔

ملنے کا پتا

کتب خانہ نذیریہ ۔ اردو بازار جامع مسجد دہلی

